ला. लाजपतराय का
देश निर्वासन

لالہ لاجپت رائے کی جلاوطنی کی خودنوشت انگریزی

کتاب کا ترجمہ

موسوم بہ

جلاوطنی کی داستان

مترجمہ

لالہ تھورام آنند امرتسریہ

سنٹرل پرنٹنگ ورکس لاہور.

اس داستان کو بطور نشان محبت جو اُن کو اس عاجز
کے ساتھ ہے۔ اپنے [illegible] بزرگوار کی خدمت میں پیش
کش کرتا ہے ؂

LALA LAJPAT RAI.

MUNSHI RADHAKRISHAN.
(FATHER OF LALA LAJPAT RAI.)

انٹروڈکشن

अपामीवामप विश्वामनाहुति
मपरातिं दुर्विदत्रामघायतः।
आरे देवा द्वेषो अस्मद्युयोतनोरु-
णः शर्म यच्छता स्वस्तये ॥१०॥६३॥१२॥

اس کتاب کو پبلک کے سامنے پیش کرتے ہوئے میں زیادہ لکھنے
کی ضرورت نہیں خیال کرتا۔ میری جلاوطنی کے زمانہ کی یہ ایک سیدھی سادھی
داستان ہے۔ اور اس سے کوئی مستقل فائدہ منصور نہیں۔ اور نہ ہی اس
میں کسی خاص مضمون پر بحث ہے۔ جو کچھ لکھا گیا۔ بہت جلدی کی حالت
میں لکھا گیا۔ اور اس قلیل فرصت کے زمانے میں لکھا گیا۔ جو برہما سے
واپسی پر پانچ ماہ کے اندر مجھے لمبے لمبے سفروں سے ملسکی۔ واپس آکر
مجھے پندرہ روز بھی گھر میں آرام نہ لینا ملا۔ اس لئے میں اس پر لٹریری پہلو
سے توجہ نہ کرسکا۔ جنوری گذشتہ میں جب میں کلکتہ گیا۔ کئی اخبارات کے
قائمقاموں نے کہ جنمیں دو سے زیادہ روزانہ اینگلو انڈین اخبارات کے
بھی نامہ نگار تھے۔ مجھ سے مانڈلے کے متعلق حالات دریافت کئے۔ لیکن
میں نے واقعات کے ٹکڑے ظاہر کرنے سے انکار کر دیا۔ اور وعدہ کیا۔ کہ کل واقعات

ایک کتاب کی شکل میں شائع کئے جائینگے - علاوہ بریں امداد قحط زدگاں کے کام کے متعلّق دورہ میں جہاں جہاں مجھے جانے کا اتفاق ہوا جلاوطنی کی زندگی کے متعلق مجھ سے بہ کثرت سوالات کئے گئے اس عام خواہش اور اشتیاق کو مدنظر رکھ یہ چھوٹی سی تصنیف پبلک کے روبرو پیش کیجاتی ہے -

اسباب شورش پر بحث محفوظ رکھی گئی ہے

جلاوطنی کے متعلّق جو کچھ میں لکھنا چاہتا ہوں - وہ اب اسی کتاب میں نہیں - بلکہ اس واقعہ کے ضروری حصّہ کو یعنے اس مفروضہ شورش کے متعلّق کہ جو میری جلاوطنی کا موجب قرار دیگئی اور پنجاب کی نام نہاد شورش کے اسباب کی مختصر ہسٹری لکھنے کا ارادہ فی الحال ملتوی کیا گیا ہے -

گورنمنٹ نے جلاوطن کرنیکی وجوہات ظاہر کرنے سے قاصر رہی ہے

گورنمنٹ نے اس وقت تک ان وجوہات اور اسباب کو پورے طور پر ظاہر نہیں کیا - کہ جو میری جلاوطنی کا باعث ہوئے - جب کبھی بعض لبرل ممبروں نے اس امر کے متعلّق کوئی سوال کیا تو صاف وزیر ہند نے اسی بہانے کی پناہ لی - کہ اسکے متعلق پورا بیان کرنا مصلحت عامہ کے خلاف ہے - یہ امر بخوبی واضح ہے کہ اسباب جلاوطنی ظاہر کرنے یا ان کے متعلّق باضابطہ تحقیقات کا حکم دینے کیلئے

وزیر ہند سے کسطرح دن بدن سخت تقاضا ہوتا رہا۔ لارڈ (اب مسٹر) مارلے بھی
نہیں کر اپنے فعل کے لئے کوئی معقول وجہ ہی نہ تبلا سکے۔ بلکہ آپ نے ادھوری
جو بیانات وقتاً فوقتاً پارلیمنٹ میں کئے۔ انمیں بھی وہ کچھ خوش قسمت نہ تھے
کیونکہ وہ بالعموم غلط واقعات اور ناقص وناکافی واقفیت پر مبنی تھے۔

اینگلوانڈین اور ولایتی اخباروں کی عنایت

گورنمنٹ کیطرف سے وجوہات جلاوطنی ظاہر
کرنے کی کمی کو اخبار انگلشمین کلکتہ نے پنجاب
کے ایک نامہ نگار کے وثوق پر پورا کرنا چاہا۔
اور اتہام لگایا کہ میں نے دیسی فوج کو وفاداری
سے منحرف کرنیکی کوشش کی تھی۔ انگلشمین کو بذریعہ ایک نوٹس اپنے بیان
کو سچا ثابت کرنے کے لئے کہا گیا۔ اور اب اسی اتہام کی نسبت ہائیکورٹ
کلکتہ میں ایک نالش دائر کیگئی ہے۔ مجھے یہ ظاہر کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں
کہ یہ اتہام محض جھوٹ اور بے بنیاد ہے۔ لنڈن کے ایک اور اخبار نے اسباب
جلاوطنی کے متعلق ایک اور ہی کہانی گھڑ کر چھاپ ماری۔ اسمیں اتہام لگایا
گیا۔ کہ میں نے برٹش راج کو دور کرنیکے لئے امیر کابل سے سازش کرنا چاہی تھی
چونکہ یہ اتہام سفید جھوٹ تھا۔ اسلئے میری رہائی سے پیشتر ہی ڈیلی اکسپریس
کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنیکی کوشش کیگئی۔ اور میرے ایک دوست
آنریبل مسٹر ڈکشت نے بمبئی سے مجھے ایک چٹھی لکھی اور میری طرف سے بطور
کونسلی عدالت میں اخبار مذکور کے خلاف دعوے کرنیکے لئے مختار نامہ منگوا بھیجا
لیکن گورنمنٹ نے اس کے متعلق خط وکتابت کو روک کر معاملہ کو وہیں کا وہیں دبا دیا۔
میری رہائی کے بعد میرے قانون پیشہ مہربانوں میسرز بھوپدرناتھ اینڈ کمپنی نے ڈیلی اکسپریس

نوٹس دیدیا ہے۔ کہ ڈیلی اکسپریس میں شائع شدہ اتہامات کی تردید کریں۔ ورنہ ا
کے خلاف عدالت قانونی میں چارہ جوئی کیجائیگی۔ مجھ پر الزام دینے والے
اخبارات میں سے سب سے بڑا مجرم لاہور کا اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ تھا۔ الزام
لگانے کی ابتدا اسی سے شروع ہوئی۔ ہر ایک بات جو میرے خلاف انگریزی اخبارات
میں شائع کیجاتی۔ اسکی بناء اسی اخبار کی جھوٹی اور شرارت آمیز تحریریں ہوتی
تھیں۔ ایک نالش اس اخبار کی خلاف بھی ہائیکورٹ کلکتہ میں دائر کیگئی ہے
گورنمنٹ ہند اسوقت تک جس ناپسندیدہ حالت کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے
لئے گورنمنٹ کو اپنے ان دوستوں کا مشکور ہونا چاہیے۔ کوئی شخص اس امر
واقعہ سے انکار نہیں کرسکتا۔ کہ رعایا اور گورنمنٹ کے مابین موجودہ رنج
اور تلخی کا مول کارن درحقیقت یہی ظلم و سختی کے حامی ہیں۔ حاکم و محکوم کے
درمیان رنجیدگی کے زنجیر میں یہ جلاوطنی بھی ایک کڑی تھی۔ جو فصل لارڈ کرزن
اور آپکے لفٹنٹوں نے بوئی تھی وہ لارڈ منٹو اور لارڈ مارلے کاٹ رہے ہیں۔
حکومت کی زبردست خواہش اور ذاتی اُوسے قومی منفعت کی طمع اور مغرورانہ
انداز اور متعصب شوولپندی کہ جسکو محکوم اقوام پر لامحدود اختیارات حاصل ہونے
سے مدد ملتی ہے۔ غیر قومی حکومت کی تلخی میں مزید اضافہ کا باعث ہوگئی۔
موجودہ بیچینی کی وجہ امپریل ازم کی دھنگا دھنگی کی پالیسی ہے کہ جسمیں رعایا
کی خواہشات اور ضروریات پر حکمرانوں کی اغراض کو مقدم سمجھا جاتا ہے۔ یہ
پالیسی لارڈ کرزن کی آمد سے بھی پیشتر اس ملک میں انٹروڈیوس کی گئی تھی
مگر اس پالیسی کی تکمیل لارڈ کرزن کے ہاتھوں سے ہوئی۔ اور اینگلو انڈین اخبارات
کے تعصب اور زبان درازی نے اسکے اثر کو اور زیادہ گہرا کردیا۔

موجودہ نازک حالت میں قابل اطمینان امر یہ ہے۔ کہ برطانیہ اور
آئرلینڈ کے نیک دل انسان جن کا اعتقاد ہے۔ کہ برٹش ایمپائر کے ضروری
اجزا کا محبت کے رشتوں سے بندھا رہنا اور اطمینان کامل ہی ایمپائر کے
حق میں مفید ہوسکتا ہے۔ اور ہر ایک حصہ سلطنت میں منصفانہ اور بے رو رعایت
سلوک ہونا چاہئے۔ ان بیچ بچاؤ کرنے والوں سے بعض ایسے بلند نظر
اور وسیع خیال اصحاب بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے
فائدہ حاصل کرنیکا حق حاصل نہیں۔ اور اگر کسی قوم کو اتفاقاً دوسری قوم
پر غلبہ حاصل بھی ہو جائے۔ تو فاتح قوم کا مقدم فرض یہ ہے۔ کہ وہ
مفتوح قوم کی رہنمائی کرے اور مفتوح قوم کی بہترین اغراض کو مد نظر رکھ کر
اسکے طریق حکومت کی بطور سرپرست نگہبان رہے۔ اور وہ بھی اسوقت
تک کہ مفتوح قوم اپنے کاروبار حکومت کا خود انتظام کرنے کے قابل نہ ہو
جائے۔ موخر الذکر اصحاب کی تعداد بہت قلیل ہے۔ اسلئے ان کی آواز
کمزور ہے۔ اور برٹش قوم کے خیالات عامہ پر پارلیمنٹ کے اندر یا باہر
ضروری اثر پیدا نہیں کرسکتی۔ لیکن تاہم وہ بعض اوقات کسی برٹش مدبر
سے آزادانہ اصولوں کے متعلق بے تکلفانہ اور امید افزا اعلان کرانے میں
کامیاب ہوجاتے ہیں۔ مگر برٹش مدبروں کیطرف سے ایسے اقرارات
پورے کرنے میں کوتاہی۔ اور ان کے طریق عمل اور اصولوں میں تفاوت
اور ان کے قول و فعل میں اختلاف پولٹیکل حالت کو پیچیدہ بنانے
میں معاون ہو رہا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ آزاد خیال
درحب قومی سے معمور ممبران پارلیمنٹ جو سلطنت کے معاملات

کا خیال رکھتے ہیں۔ اور سمندر پار محکوم قوموں پر ظلم و سختی کے خلاف
آواز اٹھاکر ان کے لیئے انصاف اور حقوق کا تقاضہ کرتے ہیں سلطنت
کی بھاری خدمت انجام دے رہے ہیں۔ وہ دن سلطنت کے حق میں
بدقسمتی کا دن ہوگا۔ کہ جس دن اس قسم کے آزاد خیال اور آزادانہ
کے عامل ممبر برٹش پارلیمنٹ میں موجود نہ ہونگے
اور عربدہ جو برٹش فریق کا ہاتھ اس سلطنت کو ریزہ ریزہ کرنے
لیئے آزاد ہوگا۔ کہ جس ناقابل انتظام سلطنت کی وسعت نے ان کے چھوٹے
سروں میں کثرت سے نخوت کی ہوا بھر دی ہے۔ یہ سچ ہے۔ کہ یہ چند
سیرت اصحاب گورنمنٹ پر کوئی عملی اثر پیدا نہیں کر سکتے۔ مگر انسانی ہمدرد
کے خیال سے جو خدمت وہ ادا کر رہے ہیں۔ وہ کچھ کم قیمتی نہیں۔ اُن
قابل قدر کوششیں ہمدردانہ یوروپین عام رائے پیدا کرنے میں معا
ہیں۔ اور اس سے کشمکش کرتی ہوئی نسل انسانی کی حوصلہ افزائی کو
ملتی ہے۔ ہم ایسے زمانے سے گذر رہے ہیں۔ کہ جس میں کلیتہً تنہ
اور علحدگی یا دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں سے کنارہ کشی ناممکن
مختلف اقوام کے تعلقات ایسے پیچ در پیچ اور ایک دوسرے پر
ہو رہے ہیں۔ کہ ایک کے معاملات کا اثر دوسری قوم پر ہوئے بغیر نہیں
رہ سکتا۔ اسلیئے عظیم الشان زندہ قوموں کی ہمدردی اس قوم کے
حق میں بڑی قیمتی ہے۔ کہ جو آزادی کے لئے جد و جہد کر رہی ہو۔ حا
موجودہ میں میں اپنے ان اہل ملک اصحاب کی رائے سے متفق ہوں
جو ہندوستان کی پولٹیکل نجات پارلیمنٹ سے مانگنے پر حاصل ہو

کے قایل نہیں - تاہم جو اصحاب ہندوستانی معاملات کے متعلق پارلیمنٹ
میں اپنی آواز بلند کرتے ہیں - بطور خود ایک مفید کام کر رہے ہیں اور
ہماری شکر گذاری کے مستحق ہیں - اگر میرے ہموطنوں میں ایسے اصحاب
موجود ہیں جو امید رکھتے ہیں کہ پارلیمنٹ میں ممبروں کی کوئی پارٹی ان
کے لیئے سند آزادی حاصل کر دیگی تو مجھے بلا تامل کہنا پڑتا ہے - کہ وہ
غلطی پر ہیں - ہندوستان کے لیئے سند آزادی حاصل کرنا کسی پارٹی
کے اختیار میں نہیں ہو سکتا - اور اگر ہو بھی تو وہ کوئی ایسا فعل نہ
کرینگے کہ جو ان کے اپنے ملک کے فوائد کے خلاف ہو - ایک انگریز
اگر محب وطن نہیں تو وہ کچھ بھی نہیں - یعنے کہ ہر ایک انگریز لازمی طور
پر محب وطن ہے - بعض کا خیال ہے - کہ بلند نظر حب الوطنی کمزور
قوموں کو پاؤں تلے روندنے کو لازمی نہیں ٹھہراتی - ان کی رائے میں
جنگو امپیریل ازم کی وجہ سے اخلاقی خوبیوں کے زایل ہونے کا اندیشہ
رہتا ہے - جن کے مفقود اور غائب ہو جانے سے نہ صرف قومیں
برباد ہو جاتی ہیں - بلکہ اُن تمام آزادانہ اصولوں کا خون ہو جاتا
ہے - جو کسی آزاد حکومت کے بنیادی پتھر ہو تصور کیئے جاتے
ہیں +

لبرل ممبروں کا شکریہ

یہ اصحاب انگلینڈ کے اعلیٰ سے
اعلیٰ نیک دل اور پاک سیرت
انسانوں کا نمونہ ہیں - میں ان کا
صدق دل سے شکر گذار ہوں -

کہ انہوں نے اپنی ہی گورنمنٹ کے خلاف اُسکی جابرانہ اور انگریزی اصول
کے خلاف کارروائی اور کسی عدالت کے سامنے مجھے جوابدہی کا موقعہ
دئے بغیر میری جلاوطنی کی نسبت اپنی آواز بلند کی۔ ان کی کوششیں
بے غرضانہ تھیں۔ لیکن انہوں نے اپنے فرض کو دل وجان سے پورا
کیا ٭

جلاوطنی کے بعد امن

دیباچہ کا یہ حصہ ختم کرنے سے پیشتر
اسکے متعلق ذکر کرنا ضروری ہے۔
کہ جلاوطنی کے فعل کو وجوہات سے
جائز ثابت کرنے سے ناکامیاب ہوکر
کہتے ہیں کہ نتیجہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جو کارروائی کی گئی وہ مناسب اور
جائز تھی۔ کیونکہ اس کے فوراً ہی بعد پنجاب میں بالکل امن ہو گیا۔
سچ ہے ڈوبتا تنکے کا سہارا ڈھونڈا کرتا ہے۔ چونکہ عملی جلاوطنی
کے متعلق اپنی انصاف پسندی کا پبلک کو اطمینان نہیں دلا سکتے
اس لئے وہ جیویٹ فرقہ کے پرانے اصول کو جواب میں پیش کرتے
ہیں۔ کہ انجام بخیر ہونے سے حصول انجام کے ذرائع بھی جائز تھے
لیکن یہ جواب بھی چنداں وزن دار نہیں۔ پنجاب میں ۱۹۰۷ء کی
مفروضہ بےچینی کی صراحت میں نے ایک چٹھی میں کی تھی۔ جو گرفتاری
کے دن قبل از گرفتاری لکھی گئی اور گرفتاری سے دو دن بعد اخبار
پنجابی میں شائع ہوئی۔ (یہ چٹھی بطور ضمیمہ ب شامل کتاب ہذا ہے)
جو امور اس چٹھی میں درج ہیں۔ آجتک اُن کی کوئی تردید نہیں

کرسکتا۔ خاص اس وقت ایجی ٹیشن تھا۔ جو نوآبادی نہر چناب کے نوآبادکاروں کے حقوق پر موثر قانون کے خلاف کیا گیا۔ یہ قانون منسوخ کردیا گیا اس لئے بےچینی بھی دور ہو گئی۔ کیونکہ بےچینی کی علت اولیٰ دور کردی گئی۔ جلاوطنیوں: راولپنڈی میں گرفتاریوں اور تلاشیوں اور جلسوں کی ممانعت کے احکام نے تعلیم یافتہ جماعت کو مبہوت اور دہشت زدہ بنانے میں اپنا اثر الگ پیدا کیا۔ لیکن چونکہ بےچینی سے تعلیم یافتہ جماعت کو براہ راست کچھ تعلق نہ تھا۔ اس لئے اگر قانون متعلق نوآبادی منسوخ نہ کیا جاتا تو بھی ایجی ٹیشن دور نہ ہوتا۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس قانون کا اثر کسی حد تک تعلیم یافتہ جماعت کے ایک حصہ پر بھی ہوتا تھا۔ کیونکہ نوآبادی نہر چناب پر کئی تعلیم یافتہ اصحاب کو بھی حقوق ملکیت حاصل تھے۔ اس لئے قانون نوآبادی کا سوال تعلیم یافتہ اور ناتعلیم یافتہ جماعتوں کا مشترک سوال بن گیا تھا۔ اور اس سے دونوں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو گئے تھے۔ اس پلیٹ فارم کو ان کے پاؤں تلے سے دور کرتے ہی اتفاق بھی رخصت ہو گیا۔ اور ساری شکائتیں رفع ہو گئیں۔ اگر جلاوطنی عمل میں نہ بھی آتی۔ تو بھی نتیجہ یہی ہوتا۔

موجودہ حالت

جلاوطنی اور اُس کی حمایت میں ظاہر کردہ وجوہات کا ذکر کرنے کے بعد میں اپنے اہل ملک سے چند الفاظ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ مجھے اس موقعہ

پر اپنی رائے ظاہر کرنا موزوں نہ ہو۔ تاہم میں مختصر طور پر کچھ کہنا چاہتا ہوں
یہ امر مسلّمہ ہے کہ ہم ایک طوفانی زمانے میں داخل ہوئے ہیں۔ اور
یہ کہ یہ طوفان کس نے اور کسطرح پیدا کیا؟ بحث طلب ہے۔ اور اس
بحث سے ہمیں اس معاملہ میں کوئی مدد نہیں ملسکتی۔ کہ ہم اس زمانے
سے کسطرح بخریت گذرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں؟ اگرچہ اس میں
شبہ نہیں ہوسکتا۔ کہ بڑی حد تک اس کی ذمہ وار گورنمنٹ ہے
مگر یہ امر مشتبہ ہے۔ کہ گورنمنٹ اس سے درگذر بھی کر سکتی تھی
یا نہیں۔ کسی واقعہ سے دانشمندی حاصل کرنا بہت بہتر ہے۔ مگر
مناسب وقت پر دانائی سے کام لینا شاذ و نادر ہے۔

ہندوستان میں گورنمنٹ انسانوں کے مجموعہ سے بنی ہے۔ ان
انسانوں میں ذاتی تجبر۔ نقائص اور کمزوریاں موجود ہیں۔ اور اسی طرح
رعایا میں بھی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ یہ ظاہر کرنے کی کوشش لا
حاصل ہے۔ کہ زیادہ قصور کس کا ہے۔ صرف یہی کافی ہے۔ کہ دونوں
فریق حالت کا نازک ہونا تسلیم کرکے باامن طریقوں سے تنازعہ امور
طے کرنیکی بہترین کوششیں عمل میں لائیں۔ گورنمنٹ اپنے کام سے
بخوبی آگاہ ہے۔ اور میں اسکو نصیحت نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن اپنے
اہل ملک کو مخاطب کرکے کچھ کہنے کا مجھے حق اور اسپر توجہ دلانے کا
دعوے ہے اسلئے میں ان سے کہتا ہوں کہ

"ٹھنڈے دل اور سنجیدگی سے موجودہ حالت"
"کی نسبت غور کریں۔ اپنی قابلیتوں کو اصلیت سے"

"زیادہ وزنی نہ خیال کریں - اور اپنی مشکلات"
"کو بے حقیقت نہ سمجھیں - اپنی طاقتوں اور"
"موجودہ مشکلات کا صحیح اندازہ کرکے مصمم ارادہ"
"اور ثابت قدمی سے مردانہ وار بڑھے چلیں"

یہ سچ ہے کہ مشکلات اٹھائے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا -
گھاٹی کٹھن اور راستہ دشوار گذار اور
خطرات سے پُر ہے - پیشرو اشخاص کی تعداد کہ جنہوں نے بطور سفر مینا
راستہ صاف کرنا ہے بہت قلیل ہے - اور ان میں باہم بہت سا
فاصلہ ہے - زندگی یا ہمت کی بیموقعہ اور غیر ضروری قربانی سے بڑھکر
کوئی سخت پاپ نہیں ہو سکتا - جن اہل ہند نے اپنی زندگیاں خدمت ملک
کے لئے وقف کر دی ہیں - وہ اپنی شخصیت کے مالک آپ نہیں رہے
اور اُنہیں کوئی حق نہیں کہ پاگلوں کی طرح اپنی زندگیاں ضایع کریں -
ایسا کرنے سے ہم اسی درخت کی جڑھ کاٹ رہے ہونگے کہ جس کے
سایہ میں ہم پناہ لینا چاہتے ہیں - حب الوطنی کے کسی فرض سے متاثر
ہو کر جان قربان کرنا مردانہ موت سہی - مگر اس جذبہ پر غالب آنا اور
رفاہ عام اور فوائد عامہ خلائق کے لئے زندہ رہنا اس سے زیادہ
مقدس ہے - موت سے پیشتر زندگی لازمی ہے - مبارک موت
حاصل کرنے سے پیشتر اعلےٰ زندگی حاصل کرنا ضروری ہے
وہی موت مبارک ہے - جو اعلےٰ اصولوں کی پیروی حب الوطنی اور
حُب انسانی کی اعلےٰ اور مبارک زندگی کے بعد واقعہ ہو بعض اوقات

بعض اصحاب کو خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اہل ہند عزت کی نسبت زندگی اور تکلفات زندگی کی زیادہ پرواہ کرتے ہیں۔ حالانکہ قدیم زمانے میں یہ صورت نہ تھی۔ اور عزّت کے خیال سے موجودہ لاپرواہی ان کے تنزل کی علامت ہے۔ لیکن جن لوگوں کا ضمیر روشن ہو گیا ہے کہ ملک کے متعلّق عزت کی زندگی ضروری ہے۔ ان کے لئے ضروری ہے۔ کہ حتے المقدور باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے زندہ رہنے کی کوشش کریں۔ اسمیں شُبہ نہیں کہ بے عزّتی کی زندگی سے معززانہ موت بہتر ہے۔ لیکن معززانہ زندگی اس موت سے بدرجہا بہتر ہے۔ جو فوری جوش کے زیر اثر قبول کیجائے۔ ان لوگوں کی تعداد کہ جو ملک کے لئے مرنا یا ملک کے لئے زندہ رہنا چاہتے ہیں نہایت قلیل ہے۔ اس تعداد میں بے تحاشا کمی کی اجازت دینا قیمتی مصالحہ کو فضول ضائع کرنا ہے۔

ملک انقلاب کی حالت میں ہے۔ ملک کے مختلف حصص بلحاظ ترقی مختلف مدارج پر ہیں۔ کئی حصص تاحال بہت پسماندہ ہیں۔ یہاں ابھی پولٹیکل خیالات پیدا ہونےکو ہیں۔ علاوہ بریں وہ دماغی قابلیتوں۔ مذہبی خیالات۔ سوشل حالتوں اور جسمانی طاقتوں میں ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہیں۔ بلحاظ تعلیم بھی ان میں بہت تفاوت ہے جو خیالات ایک صوبے میں عوام الناس نے قبول کر لئے ہیں دوسرے صوبے والے ابھی ان خیالات سے ناآشنا ہیں۔ اسلئے ترقی یافتہ حصص ملک کی حالت کو مدنظر رکھ کر اور دیگر حصص کی کوتاہیوں کو

نظر انداز کرکے کوئی رائے قائم کرنا ناممکن ہے۔ پس ہر ایک ذمہ دار شخص کا فرض ہے۔ کہ حالات موجودہ کو مد نظر رکھ کر تحریر و تقریر سے کام لے۔ ان حالتوں کی نسبت جھنجلانا بیفایدہ ہے۔ کہ جن کی تبدیلی کو ایک مدت درکار ہے۔ اور نہ ہی ان حالتوں کے متعلق کج بحثی کوئی فایدہ دے سکتی ہے۔ کہ جن پر ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ بنگال۔ بمبئی۔ یا مدراس کے متعلق میں مکمل واقفیت کا دعوے نہیں کرتا۔ مگر شمالی ہند کے متعلق جہانتک مجھے معلوم ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ پیشتر اس کے کہ عوام الناس بہتر تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ صوبوں کیطرح ملک کی پولیٹکل احتیاجوں کو محسوس کریں۔

فوائد عامہ کے لئے کام کرنیوالے خادمان ملک کی ایک معقول تعداد نہایت ضروری ہے۔ شمالی ہند میں پبلک لائف کی ذمہ واریاں صحیح ادراک اور دلیرانہ طریق عمل کی محتاج ہیں۔ اور یہ غرض غیر ذمہ دار تقریروں ناترشیدہ جوش یا زور و طاقت کی نمائش کے طریقوں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ شخص لیڈر بننے کے قابل نہیں۔ کہ جو جوش و خروش کے زمانے میں تحمل و بردباری سے کام نہیں لے سکتا۔ لیکن وہ شخص بزدل بھی ہے۔ جو ذاتی اغراض اور ذاتی بچاؤ کے خیال سے وقت پر زندگی کے وسیع اور اعلے معنے نہیں لیتا۔ حقیقی دانائی یہ ہے۔ کہ مناسب وقت پر مناسب عمل کیا جائے۔ کسی فعل کے نتایج کی ذمہ داریوں سے گریز کرنا حقیقی دلیری نہیں۔ لاف زنی اور زبان درازی مردانگی میں داخل نہیں اور نہ ہی تندمزاجی حب الوطنی ہے۔ ایک معاملہ کی نسبت

کامل غور و فکر کے بعد تامل یا پست حوصلگی کو راہ نہ ہونی چاہیئے۔ لیکن کسی فوری جوش سے اثر پذیر ہو کر بلا سوچے سمجھے کام کرنا نہ تو تدبّر ہے نہ دانشمندی۔ طالبعلمی کا زمانہ ختم کر چکنے کے بعد ہم بچے ہی نہیں رہتے کہ ناک پکڑ کر جدھر کوئی چاہے رُخ پھیر دے۔

ہم مرد ہیں اور ہمیں مردوں کی طرح عمل کرنا چاہیئے۔ مضبوط دل انسان وہی ہے جو محنت و جانفشانی۔ تلاش و تجسس اور حصول مدعا میں ثابت قدم رہے۔ اور پست ہمت نہ ہو۔ مناسب ہے کہ ہم بہتر حالتوں سے فائدہ اُٹھائیں اور مصائب کو مضبوط دل سے برداشت کریں۔ اور ان مصائب اور خرابیوں کو دور کرنے کے درپے رہیں۔ حتےٰ کہ ہم سب کا مقصد اور امید ایک ہو۔ جیسا ایک انگریز شاعر کہتا ہے۔

ممکن ہے کہ سمندر کی لہریں اور گرداب ہمیں نہ آب کر دیں۔
ممکن ہے کہ ہم ساحل مراد تک پہنچ کر سرزمین شادمانی پر قدم رکھیں
لیکن انجام سے پیشتر کچھ نہ کچھ قابل قدر اور قابل یادگار کام ہونا ضروری ہے۔" یہ دیباچہ ختم کرنے سے پہلے میں اپنی ان ہموطن جماعتوں اور فرقوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جنہوں نے میری مصیبت کے زمانے میں میرے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔ میری جلا وطنی سے جو جوش اہل ملک کے دلوں میں پیدا ہوا۔ وہ حیرت انگیز تھا اور واپسی پر مجھے اسکے متعلّق کثرت سے ثبوت ملے ہیں۔ اس سے میرے دل پر بھاری اثر ہوا ہے۔ جو کچھ میرے اہل وطن میری نسبت

خیال کرتے ہیں۔ کاش ہیں اسکا عشر عشیر بھی ہوتا۔ سوائے ان چند
ہندوستانی جماعتوں کے کہ جن کی زندگی اور خوشحالی کا دارومدار ہی
اپنے ہموطنوں کی بدگوئی پر ہے۔ اور جن کا کام ہی یہ ہے کہ حکام کو سچی
جھوٹی خبریں پہنچائیں۔ باقی کل اہل ملک نے ہمالہ سے لیکر راس کماری
اور ڈائمنڈ ہاربر سے لیکر کراچی تک اس جلاوطنی کے خلاف اظہار ناراضگی
کیا۔ بلالحاظ مذہب و ملت و رنگ و نسل سارا ملک اس جابرانہ کارروائی
کے خلاف تھا۔ احمدآباد اور سورت کے مسلمان تاجروں نے اینگلوانڈین
اخباروں کی اس جھوٹی خبروں کا دنداں شکن جواب دیا۔ کہ مسلمانوں کو میرے
ساتھ کوئی ہمدردی نہیں۔ ایک جلسہ میں کہ جو صوبجات متحدہ آگرہ واودھ
میں مسلمانوں کیطرف سے ہونا ظاہر کیا گیا۔ اور جسمیں میری جلاوطنی پر اظہار اطمینان
کیا گیا۔ صرف سات آدمی شریک جلسہ تھے۔ ہندوستان سے باہر بھی میرے
اہل ملک کی بڑی تعداد میرے دلی شکریہ کی مستحق ہے۔ تمام ہندوستانی
تاجروں۔ قانون پیشہ ڈاکٹروں یا دیگر کاروباری آدمیوں اور اہل حرفہ نے
جو لنڈن۔ پیرس۔ برطانیہ۔ امریکہ جنوبی افریقہ۔ افریقہ مشرقی۔ جاپان
یا چینی جزائر میں رہتے ہیں۔ میری جلاوطنی کے خلاف اُظہار نارضامندی
کیا۔ اور میری رہائی پر خوشیاں منائیں۔ میں کس مُنہ سے ان کا
شکریہ ادا کروں۔ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا۔ کہ جس سے
میں اپنے ہموطنوں کی اس غیر معمولی محبت کا مستحق ہوتا۔ میں اس کو
صرف اس بیداری کا نشان خیال کرسکتا ہوں۔ جو تین سال گذشتہ
کے اندر قومی اتحاد کے لئے اچانک پیدا ہوگئی ہے۔ اور جس نے

دوستوں اور دشمنوں کو یکساں حیرت زدہ کر دیا ہے - میں پرماتما کا دھنباد کرتا ہوں - کہ اس نے یہ سب کچھ دیکھنے کو مجھے زندہ رکھا - میری پرارتھنا ہے - کہ اس نازک وقت پر اپنے ملک کے متعلق فرض ادا کرنے کے لئے پرماتما مجھے بل پرداں کریں - بطور ایک آریہ کے میری دلی آرزو یہ ہے - کہ اس ویدوں کی دھرتی میں میرا بار بار جنم ہو - اور میں اپنے کرم جاتی کے کرموں کے ساتھ شامل کر سکوں -

مسٹر مدن جیت رنگن لواسی اور سر فیروز شاہ مہتہ کا میں تہ دل سے شکر گذار ہوں - کہ میری قید کے زمانے میں انہوں نے مجھے بہت سی مفید کتابیں ارسال کیں - کہ جن کے ذریعے وقت آسانی سے کٹ گیا *

لاجپت رائے ۵ جون ۱۹۰۸ء

از لاہور

میری جلاوطنی کی سرگذشت (داستان)

باب اوّل

{قبل از گرفتاری}

۹ مئی سنہ ۱۹۰۷ء کو دو بجے بعد دوپہر مجھے گرفتار کیا گیا۔ لیکن گرفتاری سے متعلق واقعات کا ذکر کرنے سے پیشتر میں اُن واقعات کا مختصر ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جو گرفتاری کا واقعہ ہونے سے نو دن پہلے وقوع میں آئے۔ کیونکہ اکثر لوگ یہ معلوم کرنے کے خواہاں ہیں کہ آیا اپنی گرفتاری سے متعلق مجھے پہلے سے کچھ سُن گُن معلوم تھی یا نہیں؟ چونکہ ایک کثیر تعداد کی طرف سے اِس خواہش کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس لئے میرے خیال میں مجھ سے توقع کی جاتی ہے۔ کہ میں اپنی گرفتاری سے پیشتر کے واقعات کی مختصر کیفیت پیش کروں۔

راولپنڈی کے واقعات

۳۰ اپریل کو تار کے ذریعے اُس نوٹس کی خبر پہنچی کہ جس کو ایک قابل یادگار دستاویز کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے

اور جو راولپنڈی کے مجسٹریٹ ضلع (مسٹر ایگنیو) کی طرف سے میرے تین قانون پیشہ دوستوں کے نام بھیجا تھا۔ یہ نوٹس چونکہ صوبہ پنجاب کے اکثر ڈپٹی کمشنروں کی قانون دانی اور معدلت گستری کی مثال ہے۔ اس لئے صوبہ پنجاب میں انگریزی راج کی تاریخ میں خاص جگہ حاصل کرنے کا مستحق ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عدالتی اور انتظامی (جوڈیشل و اگزیکٹو) اختیارات ایک ہی افسر کے ہاتھ میں ہونا کیسا مذموم ہے۔ نوٹس مندرجہ ذیل تھا۔

بیضابطہ نوٹس

"لالہ گوردास رام بیرسٹر۔ لالہ ہنسراج پلیڈر۔ لالہ امولک رام پلیڈر۔ میرے پاس رپورٹ پہنچی ہے۔ کہ چند روز پیشتر شہر میں ایک جلسہ ہوا تھا۔ اور اس جلسہ میں ایک شخص مسمی اجیت سنگھ خاص سپیکر (تقریر کنندہ) تھا۔ کہا جاتا ہے کہ لالہ ہنسراج اس جلسہ کے پریزیڈنٹ اور لالہ امولک رام سکرٹری اور محرک جلسہ تھے اور لالہ گورداس رام سپیکروں میں سے ایک تھے۔ میرے پاس رپورٹ کی گئی ہے۔ کہ اجیت سنگھ کی تقریر انتہائی درجہ کی مفسدانہ تھی۔ گورداس رام کی تقریر بھی اسی قسم کی تھی۔ اور اس میں مسٹر کیچن کلکٹر بندوبست و مجسٹریٹ کی نسبت نا ملایم الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔ اس لئے یہ نوٹس تمہارے نام دیا جاتا ہے۔ کہ ہم ۲ مئی کو ۱۱ بجے قبل دوپہر اس معاملہ میں عام تحقیقات کرینگے۔ آپ کو حاضر ہونے کی اجازت ہے۔

آپ جو کچھ کہنا چاہیں وہ بغور سماعت کیا جائیگا۔ تحقیقات دو اغراض سے
کی جاویگی (۱) آیا تمہارے خلاف زیر دفعہ ۱۲۴ (الف) و ۵۰۵ تعزیرات
ہند مقدمہ چلانے کے لیئے گورنمنٹ سے اجازت طلب کرنے کے لئے
کافی شہادت موجود ہے ؟ (۲) بغرض ارسال رپورٹ نسبت واقعات
ثابت شدہ بحضور فنانشل کمشنر وچیف کورٹ بایں مراد کہ وہ تمہارے
معطل کرنے یا زیر دفعہ ۱۴۱ و ۳۷ ایکٹ قانون پیشہ یا جیسی کہ صورت
ہو کارروائی کرنے کے لیئے احکام صادر کریں۔ مہربانی کر کے اس نوٹس
کے نیچے لکھدیں کہ "دیکھ لیا گیا"

پی۔ ڈی۔ اگنیو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ ۳۰ اپریل ۱۹۰۷ء

اس نوٹس کے متعلق ذکر کرتے ہوئے میں اتنا کہنا چاہتا ہوں۔ کہ یہہ بالکل
خلاف قانون تھا۔ کیونکہ مجسٹریٹ ضلع کو بروے قوانین فوجداری یا ایکٹ
قانون پیشہ اس قسم کی کارروائی کرنیکا اختیار حاصل نہ تھا۔ انگریزی قوانین
ہندوستان میں رائج ہونے کے زمانے سے لیکر کبھی اس قسم کا نوٹس قبل
ازیں جاری نہیں کیا گیا تھا اس سے مجسٹریٹ ضلع کا منشا صریحاً یہ تھا کہ
مذکورہ اصحاب کی تحقیر و توہین کرے۔ انہیں رنج دے اور عوام الناس
میں خوف و تشویش پیدا کرے۔ چونکہ ہرسہ اصحاب متذکرہ نوٹس سے مجھے
دوستی کا شرف حاصل تھا۔ مقدم الذکر ہر دو اصحاب اس صوبہ میں "قومی تحریک"
کے لیڈر سمجھے جاتے ہیں۔ اور دل و دماغ کی کثیر التعداد صفات کی وجہ
سے میں نے ان کو ہمیشہ عزت و تعریف کا مستحق خیال کیا ہے۔ تیسرے صاحب
کے ساتھ میں ذاتی طور پر نہایت بے تکلفانہ تعلقات سے وابستہ تھا۔

ان کے ابتلا کی خبر سُنتے ہی مَیں نے اپنا مقدم فرض سمجھا کہ راولپنڈی
پہنچ کر ان سے دوستانہ اظہار ہمدردی کروں اور حسب استعداد انہیں قانونی
مشورہ اور امداد دُوں۔ پس مَیں ان سے دریافت کئے بغیر اور بلا تحقیق اس
امر کے کہ آیا انہیں میری خدمات کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ یکم مئی کو
ڈاک گاڑی پر سوار ہو کر ۸ بجے شام راولپنڈی پہنچ گیا اور حسب معمول سیدھا
لالہ گورداس رام ساہنی (مرحوم) کے مکان پر چلا گیا۔ رات کو کچھ
صلاح مشورہ ہُوا۔ اس موقعہ پر لالہ امولک رام بوجہ علالت طبع شریک نہ
ہو سکے۔ مختصر بحث مباحثہ سے ہم اس فیصلہ پر متفق ہوئے کہ چونکہ مجسٹریٹ
ضلع کا جاری کردہ نوٹس بے ضابطہ ہے۔ اور قبل ازیں ایسے نوٹس کی
تائید میں کوئی نظیر موجود نہیں۔ اس لئے لالہ امولک رام۔ لالہ ہنسراج اور
لالہ گورداس رام اصالتاً حاضر عدالت نہ ہوں۔ اور مجوزہ تفتیش و تحقیقات
میں کوئی حصہ نہ لیں۔ مسٹر عزیز احمد بیرسٹر اور مسٹر بودھراج ساہنی بیرسٹر
(خلف لالہ ہنسراج ساہنی) عدالت میں موجود رہکر ان کی طرف سے
کارروائی عدالت کو دیکھتے بھالتے رہیں +

عدالت کا نظارہ

دوسرے دن دس بجے مَیں لالہ گورداس رام
ساہنی کے ساتھ عدالت میں پہنچا۔
کارروائی مقدمہ دیکھنے کو لوگ کثرت
سے آرہے تھے۔ کارروائی شروع کرنے کا وقت گیارہ بجے مقرر تھا۔
لیکن اس سے پیشتر ہی احاطہ کچہری کا میدان آدمیوں سے بھر گیا تھا
اور انسانی سروں اور چہروں کا متحرک سمندر معلوم ہوتا تھا۔ اس

دلکش نظارے سے مجھے تعجب نہ ہُوا۔ کیونکہ میں لالہ ہنسراج۔ لالہ مولک رام اور لالہ گوردواس رام کی ہردلعزیزی سے واقف تھا۔ جو انہیں ہر ایک طبقہ سوسایٹی میں عموماً حاصل تھی۔ مگر مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا۔ بلکہ سرکاری اسلحہ خانہ اور ریلوے ورکشاپ میں کاریگروں کے ایکاکر کے کام چھوڑ دینے کی وجہ سے بھی ہجوم کی مقدار میں خاص اضافہ ہو گیا ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کہ جنکا انتظار ہر لحظہ ہو رہا تھا ذرا دیر بعد پہنچے۔ آغاز کارروائی میں تاخیر ہونے کے باعث لوگ بیقرار ہو رہے تھے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر ساڑھے بارہ بجے ٹانگہ پر سوار عدالت میں پہنچے اور داخل عدالت ہو گئے۔ لوگ بھی کمرہ عدالت میں گھس آئے۔ مجسٹریٹ نے بیرسٹروں سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ آج کوئی کارروائی نہ ہوگی۔ دوسری تاریخ مقرر ہونے پر جدید اطلاع دی جائیگی۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے مسٹر عزیز احمد سے یہ بھی کہا۔ کہ وہ خلقت کو منتشر ہونے کے لئے کہہ دیں اس پر مسٹر عزیز احمد نے جواب دیا۔ اُن کے موکل اس انبوہ کے ذمہ وار نہیں۔ اور اسکا منتشر کرنا مجسٹریٹ ضلع کا فرض ہے۔ اسموقعہ پر یاد رکھنا چاہیئے کہ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی عدالت میں موجود تھا۔

التوا مقدمہ کی خبر ہجوم نے مایوسی اور ظفرمندی کے مشترکہ احساس سے سُنی مظفرانہ اس لئے کہ مجسٹریٹ نے بظاہر تحقیقات سے گریز کیا اور مایوسانہ اس لئے کہ تحقیقات کسی دوسری تاریخ پر ملتوی کی گئی۔ کئی آدمی یہ کہتے سُنے گئے۔ کہ وہ پھر نہیں آسکیں گے۔ گویا کہ ان کی حاضری تحقیقات کے لئے ضروری تھی۔ میں اس واقعہ کا ذکر یہ امر ذہن نشین کرنے کے لئے کرتا

ہوں۔ کہ مجسٹریٹ ضلع کی جابرانہ کارروائی نے جو ایسے اشخاص کے خلاف
کی گئی تھی۔ جو فوائد عامہ کے زبردست حامی مانے جاتے تھے۔ اور جن
کے سروں پر عوام الناس کے ساتھ ہمدردی کرنے کی وجہ سے بلا نازل
ہوئی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں کس قدر جوش ہمدردی پیدا کر دیا تھا۔

مجسٹریٹ ضلع کے حکم دربارہ التوا مقدمہ کے جواب میں ہجوم کی طرف سے
مطالبہ کیا جاتا تھا۔ کہ زیر عتاب وکلار ایک جلوس کے ساتھ اُن کے ہمراہ
شہر کو چلیں۔ مگر اُنھوں نے انکار کیا۔ جو نہایت مناسب تھا۔ ہجوم ایسی
حالت میں نہ تھا۔ کہ وہ خاموشی سے منتشر ہو جاتا۔ مجھے پیغام بھیجا گیا۔ کہ
میں وہیں اور اسی وقت اُن کے سامنے تقریر کروں لیکن میں نے بلا تامل
انکار کر دیا۔ بعد ازاں زور دیا گیا کہ میں کم از کم بعد دوپہر ایک لیکچر دوں۔
اگرچہ مجھے یہ درخواست قبول کرنے میں تامل تھا۔ مگر آخر کار مجھے ماننا
پڑا۔ اس کے بعد خلقت شہر کو روانہ ہونا شروع ہوئی۔ تھوڑی دیر
بعد خبریں پہنچیں کہ انبوہ سے کچھ شوریدہ سر آدمی علیحدہ ہو کر صاحب ڈپٹی کمشنر
کی کوٹھی کے احاطہ میں نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور کچھ آدمی ڈسٹرکٹ جج
کی کوٹھی کی طرف گئے ہیں۔ انجمن وکلا کے کمرے کے اندر کہ جہاں میں بیٹھا
ہوا تھا۔ ہر ایک موجود الوقت شخص اس خلاف امید کارروائی کی خبر سے
حیرت زدہ ہو رہا تھا۔ میں نے ابھی اپنے دلی خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا
کہ حاضرین میں سے ایک نے کہا۔ کہ درحقیقت پولیس نے سفید وردی
میں ہجوم کو زیادتی کرنے پر اس لئے اُکسایا ہے۔ کہ وکلا پر زیادہ
سخت مصیبت نازل کرنیکا بہانہ ملے۔ حاضرین میں سے ہر ایک نے

جو مقامی پولیس کے طریق عمل سے واقف تھا۔ اس خیال کو بطور امر واقعہ
قبول کیا۔ ہر ایک نگاہ ڈپٹی کمشنر کے کمرے کی طرف لگی تھی۔ کہ وہ خود جاکر
بلوہ کا انسداد کرینگے۔ مگر اسوقت تک کہ ہنگامہ پرداز گروہ کی نسبت خبر
پہنچی کہ وہ سول لاین سے کمپنی باغ کو جارہا ہے صاحب ڈپٹی کمشنر کمرہ
عدالت سے باہر تکلیف فرما نہ ہوئے۔

لالہ ہنسراج ساہنی نے ایک مقدمہ کی پیروی سے واپس آتے مجمع
کی زیادتی کے متعلق خبر سُنی۔ اسوقت ان کے بشرے سے جس رنج و
تکلیف کا اظہار ہورہا تھا وہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ مجھے ٹھیک یاد
نہیں کہ میں کس وقت کچہری سے روانہ ہوا۔ لیکن یہ خبر پہنچنے سے تھوڑا
ہی عرصہ بعد میں لالہ گورداس رام ساہنی کے ساتھ ان کے مکان پر
آگیا۔ اور وہاں کچھ ناشتہ کیا۔ چار بجے کے قریب ہم لالہ ہنسراج ساہنی
کے مکان کو روانہ ہوئے۔ وہاں جاکر معلوم ہوا۔ کہ ان کی طبیعت اچھی
نہیں اور دانت میں درد ہونے کے باعث بستر پر لیٹ رہے ہیں۔ تاہم
ہم نے ان پر زور دیا کہ وہ جلسہ کے مقام پر ہمارے ساتھ چلیں۔ کیونکہ
جلسہ میں ان کی غیر حاضری سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان تھا۔ ہماری
رائے میں ان کے لئے ضروری تھا۔ کہ بعد دوپہر جو ہنگامہ وقوع پذیر
ہوا تھا۔ اس کی نسبت عام طور پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کریں۔ جبکہ ہم
جلسہ کے مقررہ مقام کو جارہے تھے۔ ایک آدمی آیا اور اس نے
مجھ سے مخاطب ہوکر کہا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب تم کو یاد فرماتے ہیں اور
جلسہ میں نقص امن ہونے کے اندیشہ سے جلسہ حکماً بند کردیا گیا ہے

جلسہ کی جگہ کو راستہ اس مقام سے ہو کر جاتا تھا۔ کہ جہاں صاحب ڈپٹی کمشنر کرسی پر بیٹھے تھے۔ اور پولیس کا مضبوط دستہ آپ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھا اور پولیس کا ایک مضبوط دستہ رائفلیں لئے "فائر" کا حکم ہوتے ہی اپنے فرض کے لئے تیار تھا۔

ڈپٹی کمشنر کا بیان

اس کے بعد جو کچھ ہوا اسکا ذکر ڈپٹی کمشنر کے اپنے ہی الفاظ میں مناسب ہوگا صاحب ڈپٹی کمشنر نے مقدمہ بلوہ راولپنڈی میں سپیشل مجسٹریٹ کے روبرو شہادت دیتے ہوئے اپنے بیان میں لکھوایا۔ کہ

پانچ اور ساڑھے پانچ بجے کے درمیان مجمع سے جوش مسرت کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں باہر درختوں کے نیچے بیٹھا تھا۔ کہ لالہ لاجپت رائے دس یا بارہ اشخاص کے ساتھ گذرے۔ ان کے ہمراہی میرے خیال میں وکلا تھے۔ اگرچہ میں نے اسوقت زیادہ توجہ اس امر کی طرف نہیں دی مگر لالہ ہنسراج کو جو میرے قریب تھے اور لالہ گورداس رام کو نصف دایرہ کے ایک سرے پر (کیونکہ انہوں نے کھڑا ہونے میں نصف دایرہ بنا رکھا تھا) اور ایک وکیل کو جس کا نام میرے خیال میں نانک چند ہے میں نے ان میں سے پہچانا۔ میں نے لاجپت رائے سے کہا۔ کہ "جو جلسہ تم منڈی میں منعقد کرنا چاہتے ہو۔ میں اسکو بند کرتا ہوں۔ پچیس پولیس والوں کا دستہ بھری ہوئی بندوقیں لئے موجود ہے۔ اگر جلسہ منتشر نہ ہوا تو میں بندوقیں چلانے کا حکم دے دونگا۔ اور سب سے پہلے تم پر بلا نازل

ہوگئی۔ میں نے لالہ ہنسراج اور گوردہاس رام سے بھی کہا۔ کہ آج صبح جو کچھ
وقوع میں آیا ہے میں اس کے لئے تم کو ذمہ وار ٹھیراتا ہوں۔ لاجپت رائے
نے کہا کہ اسکو ان ریمارکوں پر اعتراض ہے۔ اور وہ قانون سے آگاہ
ہے۔ میرے خیال میں یہ ریمارک مسٹر ہاکنس کو مخاطب کرکے کیا گیا تھا۔
میں نے کہا۔ میں یہاں اعتراض نہیں سنونگا بلکہ اسکو میرا حکم ماننا ہوگا
اور وہ یہ کہ کوئی جلسہ نہیں ہونے پائیگا۔ اور وہ اور وکلا فوراً گھروں کو
واپس چلدیں۔

پنجابی کا بیان

یہ بیان اُس تار خبر سے جو اُسی شام کو
پنجابی میں شایع ہوئی۔ اور جس میں امر واقعہ
کو زیادہ صحت سے بیان کیا گیا ہے۔
کسی قدر مختلف ہے۔ پنجابی میں مندرجہ ذیل تار شایع ہوا تھا۔

صاحب ڈپٹی کمشنر کی تحقیقات ملتوی کرنے کے بعد لوگوں کی زبردست
خواہش پر ظاہر کیا گیا۔ کہ آج شام کو لالہ لاجپت رائے کا رنگ گنج میں لکچر
دینگے۔ وقت مقررہ سے ایک گھنٹہ پیشتر صاحب ڈپٹی کمشنر معہ سپرنٹنڈنٹ
پولیس تھانے میں آبیٹھے اور جلسہ کے خلاف قانون ہونے کا حکم جاری
کردیا۔ قریباً ساڑھے پانچ بجے جبکہ لالہ ہنسراج ساہنی۔ لالہ گوردہاس رام
اور لالہ ہنسراج بھنڈاری اور دیگر اصحاب لیکچرار کے ساتھ مقام جلسہ کو جارہے
تھے وہ صاحب ڈپٹی کمشنر کے حکم سے راستہ میں روکے گئے۔ مجسٹریٹ
ضلع نے دریافت کیا۔ کہ لاجپت رائے کون ہیں؟ جب لالہ لاجپت رائے
سامنے ہوئے تو آپ نے کہا کہ میں نے بحیثیت مجسٹریٹ ضلع جلسہ بند

کر دیا ہے ۔ پولیس کو گولیاں تقسیم کر دی گئی ہیں ۔ اور سوار رسالہ منگوا لئے
گیئے ہیں ۔ میری ہدایات یہ ہیں ۔ کہ اگر جلسہ منعقد کرنے کی کوشش کی جائے
تو پولیس بندوقیں داغ دے ۔ اسلئے میں حکم دیتا ہوں کہ تم بہ سرعت تمام
گھروں کو واپس چلے جاؤ اور کوئی جلسہ نہ کرو" ۔ لالہ ہنسراج کو مخاطب کر
کے کہا گیا " میں اُمید کرتا ہوں کہ آج کی کارروائی سے تمہاری تسکین
ہو گئی ہوگی ۔ یہ کارروائی براہ راست کل کے جلسہ اور اس سے پیشتر کے
جلسہ کا نتیجہ تھی ۔ جن کی نسبت میں کہتا ہوں کہ وہ مفسدانہ جلسے تھے ۔ میرے خیال
میں آج کا جلسہ بھی مفسدانہ ہی ہوگا ۔ اِس لئے میں نے اسکو بند کر دیا ہے
اور اس کے خلاف قانون ہونے کا اعلان کر دیا ہے ۔ خطرناک نتائج کے
لئے میں لالہ امولک رام سکرٹری آپ کو (اور لالہ گوردھن رام کی طرف اشارہ کر کے
آپ کو (اور لالہ لاجپت رائے کی طرف اشارہ کر کے) ساتھ ہی آپ کو بھی
ذمہ وار قرار دیتا ہوں ۔ سمجھے؟

اس کے بعد مسٹر ٹامکنس نے کسی قدر آگے بڑھ کر لالہ لاجپت رائے کو
مخاطب کر کے کہا " آپ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ آپ ذمہ وار قرار دیئے جائینگے"
لالہ لاجپت رائے نے جواب میں کہا جہاں تک میں نفوڑا بہت قانون سے
آگاہ ہوں میں اپنی ذمہ واری جانتا ہوں ۔ میں نے احکام سُن لئے ہیں"
مجسٹریٹ ضلع نے وہی باتیں جو وہ پہلے کہہ چکا تھا ۔ پھر دُہرائیں کہ آج شام
کا جلسہ بھی اغلباً مفسدانہ ہوگا ۔ لالہ لاجپت رائے نے کہا ۔ میں ان ریمارکوں
پر اعتراض کرتا ہوں میں نے احکام سُن لئے ہیں؟ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب
بولے " میں جانتا ہوں کہ تم اعتراض کرتے ہو میں نے اپنے احکام

دیدیئے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم میرے سامنے سے دُور ہو جاؤ۔ لالہ اچیت رائے نے جواب میں کہا "مَیں یہاں آپ کے بُلانے پر آیا ہُوں خود بخود اپنی مرضی سے نہیں آیا"۔ بعدازاں پارٹی نے عوام کو مجسٹریٹ کے احکام سے آگاہ کر دیا۔

ساری رات گرفتاریوں۔ اور گرفتاروں کے جیلوں نے بیجائے جاتے اور پولیس کے جبر و تشدد وغیرہ کی بیچینی پیدا کرنے والی افواہیں سُنائی دیتی رہیں۔

دوسرے دن صبح دس بجے مسٹر گورداس رام اور مَیں معمولی طور پر کچہری گئے مگر چونکہ مجھے کوئی خاص کام وہاں نہیں تھا۔ اس لئے مَیں جلدی ہی واپس آگیا۔ لالہ امولک رام بھی میرے ساتھ ہی واپس آ گئے کیونکہ ان کی طبعیت کسی قدر علیل تھی۔ لالہ ہنسراج کچہری نہیں گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے گذشتہ شام کو درد کرنیوالا دانت نکلوا دیا تھا۔ اور انہیں ہلکا سا بخار ہو رہا تھا۔

پانچ وکلا کی گرفتاری

قریباً تین بجے بعد دوپہر یا اس سے کچھ پہلے جبکہ مَیں آرام کر رہا تھا۔ لالہ گورداس رام کے ملازم نے مجھے جگایا اور اطلاع دی کہ لالہ گورداس رام گرفتار کر کے جیل میں بھیجے گئے ہیں۔ مَیں فوراً اُٹھا اور کپڑے پہنکر کچہری پہنچا۔ یہاں مجھے معلوم ہُوا کہ پانچ وارنٹ جاری کئے گئے ہیں۔ لالہ گورداس رام اور مسٹر خزان سنگھ بیرسٹر کی گرفتاریوں سے دو وارنٹوں کی تعمیل ہو چکی ہے۔ دو وارنٹ لالہ ہنسراج ساہنی اور لالہ

امولک رام کی گرفتاری کے لئے ہیں۔ مگر پانچویں وارنٹ کی نسبت معلوم نہیں کہ کس کی گرفتاری کے لئے ہے۔ لوگ گمان کرتے تھے کہ وہ وارنٹ میری گرفتاری کے لئے ہوگا۔ ہم اسی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ بار ایسوسی ایشن کے کمروں کے پاس انگریزی رسالہ کے سوار پہنچنے کی اطلاع ملی۔ اور فوراً بعد میں پتہ لگ گیا۔ کہ پنڈت جانکی ناتھ کول بیرسٹر گرفتار کئے گئے ہیں۔ اسی وقت لالہ ہنسراج ساہنی اور لالہ امولک رام ایک ٹانگہ میں بیٹھے ہوئے آتے دکھائی دیئے۔ وہ انگریزی رسالہ کے سواروں کے پہرے میں تھے لالہ امولک رام کا چہرہ بدستور شگفتہ تھا۔ اور اس پر بےچینی کا کوئی اثر نمایاں نہ تھا۔ لالہ ہنسراج ایک پولیس افسر کو جو انکے کانوں تک اپنا مربیانہ مشورہ پہنچانا چاہتا تھا۔ دلیرانہ جواب دے چکے تھے۔ جس وقت گرفتار شدہ جا چکے تو سیشن جج کے پاس ضمانت کی درخواست کی گئی۔ جو فوراً نامنظور ہو لی۔ تھوڑی دیر تک صلاح مشورہ ہونے کے بعد قرار پایا۔ کہ میں فوراً لاہور روانہ ہو جاؤں اور وہاں چیف کورٹ میں ضمانت کے لئے کوشش کی جائے۔

میں فوراً سٹیشن پر آیا اور بمبئی والی ڈاک گاڑی پر جو ۴ بجے بعد دوپہر راولپنڈی سے روانہ ہوتی تھی سوار ہو لیا۔ یہ واقعات ۳ مئی کے ہیں ۴ مئی کو چیف کورٹ میں ضمانت کے لئے درخواست کی گئی۔ چیف جج نے حکم دیا۔ کہ درخواست بنچ کے سامنے جس میں خود صاحب چیف جج اور ایک بیرسٹر جج شامل ہوں تجویز کے لئے پیش ہو۔ یہ ایسا غیر معمولی حکم تھا کہ جو قبل ازیں کبھی نہیں دیا گیا تھا۔ گورنمنٹ ایڈووکیٹ نے درخواست ضمانت کے خلاف پیروی کی مگر جج کوئی فیصلہ نہ کر سکے غیمنی حکم صادر کیا گیا۔

کہ چونکہ ضروری واقعات کافی طور پر ان (ججوں) کے سامنے موجود نہیں ہیں اس لئے درخواست سوموار (۱۸ مئی) کو آخری فیصلہ کے لئے پیش ہو۔ اُنہوں نے یہ بھی حکم دیا کہ اس تاریخ تک گورنمنٹ ایڈوکیٹ واقعات ضروری کے متعلق کافی واقفیت حاصل کرلے تاکہ وہ فیصلہ کرنے کے قابل ہوسکیں۔ سوموار کو ڈپٹی کمشنر بذاتہٖ تشریف لے آئے۔ اور ایک بیان تحریری اپنی طرف سے اور ایک چٹھی کمان افسر راولپنڈی کی داخل عدالت کی۔ یہ چٹھی ملزمان کے کونسلی کو جو درخواست کی پیروی کررہا تھا نہیں دکھلائی گئی تھی۔ آخرکار درخواست ضمانت نامنظور کی گئی۔ دوسرے دن مذکورہ بالا چٹھی کی نقل کے لئے درخواست کی گئی وہ بھی نامنظور ہوئی۔ اُس پر ایک کونسلی نے معمولی مقررہ فیس داخل کرنے پر ملاحظہ چٹھی کی درخواست کی مگر یہ درخواست بھی منظور نہ ہوئی۔ اس کارروائی کی نسبت جو کچھ پبلک خیال کرتی تھی اسکا اندازہ ۸ مئی کے پنجابی اخبار سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ پنجابی کے مضمون میں میرے دلی خیالات کا جو اس معاملہ کے متعلق تھے صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے۔ دھونغرا

ایک چٹھی آمدہ قسطنطنیہ سے جو ۵ اپریل کی لکھی ہوئی ہے۔ اور یکم مئی ۱۹۰۷ء کے ٹائمز آف انڈیا بمبئی (ہفتہ وار ایڈیشن) میں شایع ہوئی ہے ٹرکی کی خفیہ پولیس کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات درج ہیں۔ بمبئی ٹائمز کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ "ٹرکی میں بم کے گولے پھینکنے والا عموماً ترقی کا عُضو کا خفیہ پولیس کا ممبر ہوتا ہے"۔ ایسے ممبر کو پرواہ نہیں ہوتی کہ کسی کی جان جاتی ہے یا بچتی ہے وہ سلطان کی نظروں میں اپنا اعتماد

پیدا کرنا چاہتا ہے کیونکہ جب اعتبار جم گیا تو آئندہ کی ترقی اور کامیابی یقینی امر ہے۔ وہ اعلے اعزاز کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اور اگرچہ قبر کو چلتے وقت اس کے لئے عوام کے دلوں میں عزت نہ ہو لیکن اپنی کامیابی کے باعث بظاہر وہ دُنیوی وجاہت اور تعلقات کے لحاظ سے اچھی حالت میں جان دیتا ہے"۔

لاہور میں دوسری دفعہ شور وشر ہونے کے بعد کئی دفعہ یہ ظاہر کیا گیا کہ جدید ہنگامہ پردازی سفید وردی پولیس افسروں کی کارستانی کا نتیجہ ہے۔ کہ جو ترقی اور دُنیوی وجاہت اور خوشحالی کی آرزو میں بڑی پولیس کے افسروں سے اظہار گرمجوشی میں کسی طرح کم نہیں۔ بلکہ ہندوستان میں کئی چالانوں اور ملزموں کے اقبال سے اسکا اثبات یا اشتباہ ہو چکا ہے۔ اور یہ ایسا امر ہے۔ کہ ہر ایک شخص جس کو عدالتی معاملات سے کبھی سابقہ پڑا ہے اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ یہ امر کہ حکام کو ۱۶ اپریل کے ظاہر کردہ شور وشر کے اصلی مجرموں کا پتہ نہ لگ سکا۔ اس خیال کی تائید کرتا ہے۔ راولپنڈی میں جو شور وشر ہوا اس کے بانی بھی یہی پولیس والے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ شکروار کی رات کو انارکلی میں پولیس کے تشدد کا نظارہ بعض معزز چشم دید گواہوں کے بیان کے مطابق اس خیال کی تائید میں اسی قسم کی دوسری شہادت تھی۔ ان حالات میں حکام سے یہ خواہش کرنا بیجا نہیں کہ وہ حسب معمول پولیس کی خواہشات کے زیر اثر عمل کرنے کی نسبت معاملات کو زیادہ بے لاگ اور غیر طرفدار ہو کر دیکھا کریں۔

ہماری رائے میں صوبہ بھر کے سرکاری حلقوں میں صوبہ کے اندر پہنچنے کے

وجود کا خیال خفیہ پولیس کی مبالغہ آمیز رپورٹوں کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے
اور ہمیں یہ دیکھ کر حیرت اور رنج ہوتا ہے کہ گورنمنٹ ان جھوٹی رپورٹوں
سے چکرا گئی ہے۔

صورت حال

پنجاب میں حالت بہت نازک ہو گئی ہے۔ راولپنڈی
میں معزز لیڈروں کی گرفتاری اور اس کے
بعد کے طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ گورنمنٹ
نے سختی و تشدد کی پالیسی اختیار کر لی ہے۔ بلا لحاظ پولیٹیکل خیالات کے
راولپنڈی کے لیڈروں کی گرفتاری سے گورنمنٹ نے صریحاً یہ فیصلہ
کر لیا ہے کہ سختی سے عوام الناس میں خوف وہراس پیدا کرے۔ راولپنڈی
میں گرفتاریاں اس امر کا پہلا نشان ہیں۔ نام نہاد عدالتی کارروائی سے
جو اختیار کی گئی ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے کسی قسم کی بلا لاگ
تحقیقات اور بے رو رعایت فیصلہ کی لوگ اُمید کر سکتے ہیں۔ جس دن
گرفتاریاں عمل میں آئیں اس دن دفعہ ۱۲۴ الف یا دفعات ۱۴۸۳۶ ۔ ۱۴۷ یا
۱۰۹ تعزیرات ہند کا جرم ملزموں پر قایم کرنے کے لئے کوئی شہادت ان
کے خلاف موجود نہ تھی۔ یا کم از کم کوئی شہادت قلمبند نہیں ہوئی تھی۔
سیشن جج نے اس امر کا اطمینان کئے بغیر کہ آیا ملزموں کے برخلاف کوئی
شہادت ثبوت جرم کے لئے موجود ہے یا نہیں درخواست ضمانت نا منظور
کر دی سیشن جج پر ڈپٹی کمشنر کی رپورٹ اثر کر رہی تھی کہ ملزموں کو ضمانت
پر رہا کرنے سے مزید شور و شر اور خرابی کا احتمال ہے یہی اثر چیف کورٹ
میں بھی غالب رہا۔ ہر ایک دیکھنے والا ججوں کے بشروں سے ان کی دلی حالت

کا اندازہ کر سکتا تھا۔ انصاف کی خواہش اور انتظامی خطرات کے مابین کشمکش کا ان کے چہروں سے صاف پتہ چلتا تھا۔ ان کا منصفانہ ضمیر انہیں مجبور کرتا تھا۔ کہ وہ گورنمنٹ ایڈوکیٹ سے دریافت کریں کہ مفسدانہ تقریروں سے بلوہ وقوع میں آنے کے متعلق کون سی شہادت ہے۔ اور بلوائیوں کی آتشزدگی اور نقصان رسانی سے ملزموں کا کیا تعلق ہے؟ باوجودیکہ اسکا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ لیکن پھر بھی ڈپٹی کمشنر اور کمانڈ افسر کی رپورٹوں نے جو انکے سامنے موجود تھیں۔ ان کے ہاتھ باندھ دیئے اور وہ آخر کار انتظامی مصلحت کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ اس ڈرامے کا پہلا ایکٹ ہو چکا ہے اور فی الحال ایک بھاری پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ مگر اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ آئندہ کیا ہونیوالا ہے۔ ہر ایک شخص کو آمادہ رہنا چاہیئے کہ ایک دن اس سے بھی زیادہ تشدد کی امید میں حالات موجودہ میں ہم صورت واقعہ کا بخوبی اندازہ کر کے آئندہ کے لئے اپنا دستور العمل قرار دے سکتے ہیں۔

کیا کرنا چاہیئے؟

راولپنڈی کی کارروائی نے قدرتاً وسیع پیمانہ پر جوش پیدا کر دیا ہے۔ ایک طرف وہ جوش ہماری غیرت کو ابھارتا ہے اور دوسری طرف ہم کو ہنسی بھی آتی ہے۔ گورنمنٹ نے عملی طور پر قابل اعتراض روش اختیار کر لی ہے۔ اور اس کی اس کمزوری پر رحم آتا ہے۔ کیا یہی وہ طاقت ہے؟ کہ جس کی نسبت اینگلو انڈین بڑھ بڑھ کے باتیں بنایا کرتے ہیں۔ بہر حال سخت بے چینی کی موجودگی کا اقرار تو ہو گیا۔ اس سرکاری اقبال و تسلیم سے پایا جاتا ہے

کہ ناراضگی عام سے صوبے بھر میں اپنا ڈیرہ اچھی طرح جما لیا ہے۔ کیا مسٹر
مارلے اب بھی کہہ سکتے ہیں کہ بےچینی کے وجود پر انہیں یقین نہیں؟ پنجاب
گورنمنٹ نے مسٹر مارلے کے بیان کو بالکل غلط ثابت کر دیا ہے۔ کیا
کوئی شخص یقین کر سکتا ہے؟ کہ گورنمنٹ نے چند مچھروں کو مارنے کے
لئے یہ جابرانہ کارروائی اختیار کی ہے۔ دیسی اور گورہ فوج منگوانا کیا
معنے رکھتا ہے؟ ہم گورنمنٹ کی طرف سے کوئی جواب نہ دینگے۔ لیکن
کیا گورنمنٹ کو یہ بات بتانیوالا کوئی نہیں کہ ہر دفعہ جب چیف کورٹ میں
سڈیشن کا کوئی مقدمہ پیش ہوتا ہے غیر معمولی تعداد میں پولیس کی
نمایش سے کمزوری کا اظہار کتنا ناواجب ہے؟ افسوس ہندوستان میں
انگریزی حکومت کس حالت کو پہنچ گئی ہے۔ لیکن ہمیں گورنمنٹ کے
اعتماد کی نسبت زیادہ فکر کی ضرورت نہیں۔ بلکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے
کہ موجودہ ابتلا کے وقت ہمیں کیا کرنا واجب ہے؟ اس کے متعلق ہم
اپنے اہل وطن کو کچھ مشورہ دینے کی جرأت کرتے ہیں۔ سب سے ضروری
اور مقدم یہ ہے۔ کہ جب تک انتظامی اختیارات یا مجسٹریٹی کی قوت سے ہم
مجبوراً روک نہ دیئے جائیں ہمارا کام دلیرانہ اور بلا خوف جاری رہنا چاہیئے
لگاتار جلسے پر جلسہ ہونا چاہیئے تاکہ ان جلسوں کو خلاف قانون قرار دینے
اور جبراً منتشر کرنیکا موقعہ قوت مجسٹریٹی کو حاصل ہو۔ اس امر کی کامل
احتیاط رہے کہ پولیٹیکل کام میں شورہ پشتی اور شور و شر نہ ہونے پاویں
ہم اس امر کا یقین نہیں کرتے کہ صوبہ میں بلوہ و فساد کا جاہلانہ جوش موجود
ہے۔ ہمیں پکا یقین ہے کہ راولپنڈی کا فساد خفیہ پولیس کی کارستانی تھی۔

گورنمنٹ کے یہ خیر خواہ ملازم اسی طریقہ سے اپنی بے بنیاد جھوٹی اور تشویش انگیز
رپورٹوں کی تائید کر سکتے ہیں۔ وہ جھوٹی رپورٹیں کر کے ہجوم میں شامل ہو
فتنہ و شر کی مثالیں پیدا کرتے ہیں۔ اور اس طرح فساد برپا کرا اپنے لیے
اور دوسروں کے لئے کام مہیا کرتے ہیں۔ جمعہ گذشتہ کو انار کلی کا واقعہ
ایسے ہی اسباب کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔

متحمل مگر مستقل اور پابند قانون مگر دلیر بنے رہو

لیکن باوجود ان ساری
باتوں کے ہم عوام الناس
کو خبردار کرتے ہیں
کہ وہ پولیٹیکل کام کو

دھینگا مشتی کے ادنےٰ درجہ پر لانے سے ذلیل نہ کریں۔ ہم جانتے
ہیں۔ کہ گورنمنٹ کے افسروں کی طرف سے پابندیٔ قوانین میں کوتاہی
اور لاپرواہی عوام کو خلاف قانون حرکات و افعال پر آمادہ کرتی ہے
لیکن ہم اپنے اہل وطن سے درخواست کرینگے۔ کہ وہ متحمل مزاج رہیں
اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات کو فراموش نہ کریں کہ وہ مُلک کی
پولیٹیکل اصلاح کے مقدس کام میں لگے ہیں۔ معمولی اور ادنےٰ درجہ
کے کام ان کے مقصد میں حائل نہیں ہونے چاہئیں۔ ہم یقین نہیں
کرتے کہ کوئی ہندوستانی سوائے اس کے کہ اُسکی اخلاقی احساس
غیر گورنمنٹ کی تابعداری میں بالکل تباہ ہو گئی ہوں یا انتہائی درجہ
کے غیض و غضب نے اسکو خارج از حواس نہ کر دیا ہو کبھی عورتوں
پر حملہ کرنے کی مذموم (بزدلانہ) حرکت کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ یورپین

خواہ کچھ کہیں - مگر ہندوستانیوں کے دلوں میں عورت ذات کے لئے
خاص درجہ کی عزت موجود ہے - ایک ہندو کے نزدیک اس کی استری
اس کی اردھنگی یا اس کے روحانی وجود کا آدھا حصہ ہے - کوئی غیر استری
خواہ وہ کوئی ہو - اس کے نزدیک دیوی ہے اور ماتا یا بہن کی طرح
اس کی دلی عزت کی حقدار ہے - ہندوؤں نے بیکس انسانوں یا بھولے
بھٹکے راہ چلنے والوں پر بزدلانہ حملے کرنے میں کبھی بدنامی حاصل نہیں کی
ہمیں یہ یقین کرنے سے انکار ہے کہ گذشتہ شورو شر کے موقعہ پر کسی
ہندو سے ایسے کمینہ افعال کا ارتکاب ہوا ہے - یہ آبرو ریختہ غنڈوں کا
کام ہے - خواہ وہ کوئی بھی ہوں - اس کے ساتھ ہی ہم امید کرتے ہیں
کہ اس موقعہ پر اہل پنجاب ہمت مردانہ سے کام لیکر مستقل مزاج رہینگے -
اور پولیٹیکل حقوق حاصل کرنے کے لئے اپنی کوششوں کو بدستور جاری رکھیں
دینگے - گو مجوشی سے باضابطہ طور پر پولیٹیکل کام کرنے کے لئے گورنمنٹ
کے قوانین نے کافی آزادی اور وسعت دے رکھی ہے - اس لئے
ہمیں احتیاط سے قانونی حدود کو مدنظر رکھ کر کام کرنا واجب ہے -
انتظامی اختیارات سے یا مجسٹریٹی کی طاقت سے یہ کام خلاف قانون
قرار دیا جاکر جبراً بند ہوتا ہے تو ہو نے دو مگر صوبہ میں پولیٹیکل کام
ہمارے خوف زدہ ہو جانے کی وجہ سے نہ رکنا چاہیئے - گورنمنٹ بیشک
اس کام کو حکماً روکدے - اگر گورنمنٹ حکم دیتی ہے تو ہمیں اس حکم کی
متابعت کرنی چاہیئے - اس قسم کے احکام کی متابعت گورنمنٹ کے حق
میں الٹی پڑیگی - اور رعایا اپنا پولیٹیکل کام جاری کرنے کے لئے جدید طریقے

اختیار کرنے پر مجبور ہوگی۔ قبل ازیں ہمارا کام علانیہ اور روز روشن میں باضابطہ اور قانونی حدود کے اندر ہوتا چلا آیا ہے۔ اور ہم نے اس کام سے حکام کو کسی شکایت کا موقعہ نہیں دیا"۔

مندرجہ بالا خیالات ۲ یا ہمی کو طوفان بے تمیزی کا پورا یقین ہونے کی حالت میں لکھے گئے تھے۔ ایک دوست نے کہ جسکو انہیں دنوں میں اکثر یورپین افسروں سے ملنے کا موقعہ ملا تھا۔ مجھے اطلاع دی کہ یورپین حکام عموماً میرے برخلاف غصہ سے دانت کٹکٹا رہے ہیں۔ اور مجھے ساری خرابی کی علت ہوئے قرار دیکر میرے ساتھ غیر معمولی طور پر سختی کا سلوک کرنے پر آمادہ ہیں۔ اس دوست نے مجھے صلاح دی۔ کہ میں محتاط رہوں اور انہیں آیندہ کوئی موقعہ نہ دوں کہ وہ مجھے کسی قابل اعتراض کام میں ملوث کرسکیں۔ ایک دوسرے ذریعے سے مجھے معلوم ہوا کہ میری لایل پور والی تقریر کی جانچ پڑتال بڑی غور و توجہ سے ہو رہی ہے تاکہ اس سے مفسدانہ خیالات کا پتہ لگایا جاوے۔ ایک اور دوست نے ایک دوسرے شخص کے اعتبار پر کہ جو اعلے حکام کے بہت کچھ منہ لگا ہوا تھا مجھے خبردار کیا۔ کہ میرے ساتھ کوکوں کے سرغنہ بھائی رام سنگھ* کا سا سلوک ہونیوالا ہے۔ بعض دوستوں نے مجھے صلاح دی۔ کہ

*نوٹ۔ بھائی رام سنگھ ایک مذہبی فرقہ کے کہ جس کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ اس کا مقصد پولٹیکل ہے۔ پیشوا تھے۔ وہ ۱۸۷۲ء میں زیر ریگولیشن نمبر ۳ مجریہ ۱۸۱۸ء برہما کو جلاوطن کئے گئے۔ اور وہیں وفات پائی۔

موجودہ طوفان گذر جائے تک لاہور سے چلا جاؤں۔ لیکن ہر ایک کو میرا جواب یہی تھا۔ کہ چونکہ میں نے کوئی ایسا فعل نہیں کیا۔ کہ جس سے کوئی قانونی ذمہ واری میرے سر نافذ کی جا سکے۔ اور میں اپنی نسبت کسی ایسے فعل سے آگاہ نہیں کہ جس سے گورنمنٹ کو باضابطہ طور پر انتظامی اختیارات میرے خلاف نافذ کرنے کا موقعہ ہو اس لئے مجھے ڈرنے اور خوف زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ میری توجہ کلیتہً اپنے راولپنڈی والے دوستوں کے لئے کچھ نہ کچھ کرنے کی طرف لگ رہی تھی۔ اس خیال سے مجھے بےچینی اور تکلیف ہوتی تھی۔ کہ جبکہ میں گھر میں بآرام سوتا ہوں وہ جیل میں پڑے ہیں۔ میں نے ارادہ کیا۔ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے مجھے ان کے قریب راولپنڈی میں رہنا چاہیئے۔ مگر مجھے معلوم ہؤا کہ ان کے بعض دوست اور رشتہ دار میرے اس ارادے کے مخالف تھے۔ اور ان کو میرا راولپنڈی میں رہنا بھی منظور نہ تھا۔ اس لئے اُنہوں نے مجھے راولپنڈی جانے سے روکدیا۔ ان میں سے بعض کے خیال میں اس مصیبت کا ظہور راولپنڈی میں میری موجودگی کی وجہ سے ہؤا تھا۔ اور اس لئے وہ اپنے آپ کو میرے تعلق سے بے واسطہ اور آزاد بنانے کے لئے بیچین ہو رہے تھے۔ ان حالات میں جو کچھ میں کر سکتا تھا۔ وہ یہ تھا کہ میں نے جیل میں گرفتاران مصیبت کو اپنی دلی ہمدردی کا پیغام پہنچا دیا۔ اور کہہ بھیجا۔ کہ میری خدمات ہر وقت ان کے اختیارات میں ہیں۔ اور کہ راولپنڈی میں میری غیر حاضری ان اصحاب کی خواہشات کے خلاف ہونے سے ہے۔ کہ جن کے ہاتھوں میں مقدمہ کی باگیں ہیں۔

جیل میں بند دوستوں کو یہ پیغام پہنچا کریں دوسرے طریق سے ان کے لئے کام کرنے کے لئے آمادہ ہُوا - ایک تجویز یہ تھی - کہ لاہور میں راولپنڈی کے واقعہ کے متعلق اظہار ناراضگی کا ایک جلسہ کیا جائے۔ اور اس کی تائید میں جا بجا جلسے منعقد ہوں - مگر اس تجویز پر زور سے سر ہلایا گیا اور اس لئے یہ تجویز چھوڑ دینی پڑی۔ ایک تجویز یہ تھی۔ کہ باہمی شخصی اختلافات فراموش کر کے جس طرح ہو سکے اپنے راولپنڈی والے بھائیوں کی مدد کے لئے ہمیں اپنی قوت متحد کر لینی چاہیئے میں نے اس تجویز پر فوراً عمل کیا - اور ایک معزز شخص سے ملا کہ جس کے ساتھ میرے تعلقات دوستانہ خیال نہیں کئے جاتے تھے۔ چونکہ میری گرفتاری کے متعلق افواہیں گرم تھیں اس لئے میں نے زیادہ توجہ طلب چٹھیوں کی دیکھ بھال کی - تا کہ کوئی ضروری چٹھی جواب دیئے بغیر نہ رہ جائے۔

دوسرا کام یہ تھا کہ میں اپنے پتا کو آنے والی مصیبت کے لئے تیار کروں۔ میری استری اور میری پُتری جو صرف دو ماہ قبل بدھوا ہوئی تھی - اور میرا چھوٹا لڑکا میرے سسرال لودھانے گئے ہوئے تھے - میرے، اپنے کنبہ میں سے اسوقت صرف میرا بڑا لڑکا میرے پاس تھا - میری استری اور میری پُتری کی عدم موجودگی میرے لئے کسی قدر اطمینان کا موجب تھی - کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ گرفتاری کے وقت یا تلاشی کے وقت (اگر کی جاتی) ان کی طرف سے کسی قسم کی گریہ زاری ہو۔ اپنے متعلقین میں سب سے زیادہ خیال مجھے اپنے عمر رسیدہ والد کا تھا - میری

ساری زندگی اپنے والد کے احکام کی متابعت اور اپنے ملک کے لیے فرائض کے مابین کشمکش کی زندگی تھی۔ میں نے ان کاموں سے اکثر اپنے والد کو رنجیدہ کیا تھا۔ کہ جن کے وہ حق میں نہیں تھے اور جن کی آپ نے اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن آپ کی رنجیدگی کبھی انتہائی درجہ تک نہیں پہنچی۔ عارضی ناراضگی کی حالت میں بھی آپ میرے حق میں نگہبان فرشتہ کی طرح تھے۔ میری صحت کی فکر میں آپ کے بال قبل از وقت سفید ہو گئے تھے۔ ایسے وقت میں کہ جب میری زندگی سے سب کو مایوسی ہو گئی۔ آپ نے اس ضعیف العمری میں بھی مہینوں تک دن اور رات میری تیمارداری کی ہے اور بستر بیماری کے پہلو سے ایک لحظہ کے لئے جدا نہیں ہوئے۔ میرے ساتھ اس طرح کا محبت آمیز تعلق آپ کی زندگی کا اصل اصول رہا ہے۔ اور اسی اصول نے مجھ پر یہ اثر کیا ہے۔ کہ میں رشتہ اور خون کے تمام تعلقات کو خیرباد کہہ کر تارک الدنیا ہونے سے باز رہا ہوں۔ یہ آپ ہی کے اعلےٰ کیریکٹر اور اخلاقی پاکیزگی کا اثر ہے۔ کہ جس نے میرے دل کو روحانیت کی طرف جھکا دیا۔ سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد میرا سب سے مقدم خیال یہ رہا ہے۔ کہ آپ کو کسی طرح ناراض ہونے کا موقعہ نہ دوں۔ میرے گھر کے معاملات میں ہمیشہ اُن کا حکم چلتا رہا اور پبلک لائف سے قطع نظر ان کی خواہش کو میں نے ہمیشہ اپنے لئے قانون تسلیم کیا ہے۔ ان حالات میں یہ قدرتی امر تھا۔ کہ دیگر دل کی نسبت

آپ کا خیال میرے دل میں زیادہ ہوتا۔ اس لیئے میں نے ارادہ کیا
کہ آپ کو افتاد کے لیئے آمادہ کر دوں اور التجا کروں کہ اگر مجھ پر کوئی
بلا نازل ہو تو وہ رنج کو صبر سے برداشت کریں۔ میں نے یہ ذکر اس
لیئے کر دیا ہے۔ کہ میں کیوں اپنے کنبہ میں سے کسی اور کے لیئے
نہیں بلکہ انہیں کے لیئے اس قدر فکر میں تھا۔

گرفتاری سے غالباً دو روز بیشتر میں نے مندرجہ ذیل چٹھی اردو
میں آپ کو لکھی۔ اس چٹھی پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ کیونکہ یہ جلدی میں
لکھی گئی تھی۔

پیارے پتاجی۔ میں نے آپ کا کل کا مرسلہ تار جو راولپنڈی
کے پتہ پر بھیجا گیا تھا۔ پڑھا۔ میری گرفتاری کی نسبت افواہیں گرم
ہیں۔ اگرچہ یہ کہا نہیں جا سکتا۔ کہ وہ کس حد تک سچ ہیں۔ میں آپ
سے باادب ایک التجا کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ خواہ مجھ پر کوئی مصیبت
پڑے آپ نے نہ گھبرانا۔ جو شخص آگ سے کھیلتا ہے اسکو ہمیشہ
یہ اندیشہ رہتا ہے کہ اسکا منہ جھلس نہ جاوے۔ حکام وقت کے
افعال پر نکتہ چینی کرنا گویا آگ سے کھیلنا ہے۔ اگر کوئی خیال مجھے
تشویش میں ڈالتا ہے تو وہ صرف آپ کا خیال ہے۔ اس لئے میں
آپ سے یہ اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ میری گرفتاری آپ
پر ناقابل برداشت اثر پیدا نہ کریگی جب لالہ ہنسراج لالہ گوبردھن رام
اور لالہ امولک رام جیل میں ہیں تو میں کس گنتی میں ہوں۔ بہر حال یہ
وقت بزدلی ظاہر کرنے کا نہیں۔ بلکہ جو کچھ ہو اسکو مردانہ طور پر برداشت

کرنا چاہیئے ...... پلیگ تا حال یہاں زوروں پر ہے - کالج ۱۲ ر کو کھلیگا - مگر پیارے کشن (میرا دوسرا لڑکا جو لاہور میں پلیگ کا زور ہونے کی وجہ سے میرے والد کے پاس تھا) کو ۱۳ ارمئی سے پہلے واپس نہیں آنا چاہیئے - مجھے کوئی تکلیف نہیں - اور میرے لئے آپ پرواہ نہ کریں -

آپ کا تابعدار خادم لاجپت رائے

اس چٹھی کا محذوف حصہ خانگی معاملات سے متعلق ہے - اس میں میری غیر منقولہ جایداد واقعہ جگراؤں کے زبانی ہبہ کا ذکر ہے جو میں نے اپنے لڑکوں کے حق میں کیا تھا - اور خواہش کی گئی تھی کہ ان کے نام داخل خارج کرا دیا جائے تاکہ جائداد مذکور باضابطہ طور پر کاغذات مال میں ان کے نام درج ہو جائے -

یہ اطلاع ملنے پر کہ گورنمنٹ میرے ساتھ بھائی رام سنگھ کوکوں کے پیشوا کی طرح سلوک کرنا چاہتی ہے مجھے ریگولیشن نمبر ۳ سنہ ۱۸۱۸ء کے مطالعہ کا خیال پیدا ہوا - اس ریگولیشن کے مطالعہ سے مجھے مزید اطمینان ہو گیا - کیونکہ میں نے کوئی ایسا فعل نہیں کیا تھا کہ جس کی رو سے اس ریگولیشن کے بموجب مجھے بلاتحقیقات جلاوطنی کا سزاوار سمجھا جاتا - مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ گورنمنٹ کا اعلیٰ عہدہ دار (لفٹنٹ گورنر) جو ایک ایسا شخص ہے - کہ بذات خاص پنجاب کے متعلق وسیع واقفیت رکھتا ہے اور پنجاب میں اینگلو انڈین حکام کے لامحدود آزمانی اختیارات سے بخوبی آگاہ ہے میرے جیسے

بے حقیقت شخص کو جلا وطن کر کے دُنیا کے سامنے گورنمنٹ کی کمزوری
کا اعلان کرنا منظور کریگا۔ تاہم میں نے اپنے آپ کو آنے والی
مصیبت کے لئے بالکل تیار کر لیا۔ میرے دل میں ایک لمحہ کے لئے
بھی اپنے بچاؤ کا خیال نہیں آیا۔ یعنے اپنے راولپنڈی والے
دوستوں اور اپنے ملک کے حق میں جو ضروری سمجھا کرنے کو بیٹھ گیا
میں نے دوسرے صوبوں کے ہندوستانی لیڈروں کو چٹھیاں لکھیں
اور پنجاب کی حالت موجودہ کی نسبت انہیں آگاہی دی۔ سر ولیم ویڈ
کو بھی بحیثیت پریزیڈنٹ برٹش کانگریس کمیٹی ایک چٹھی لکھی اور اسکے ساتھ
نوآبادی نہر چناب (جلالہ بار) کے طریقہ حکومت و انتظام وغیرہ کے
متعلق ضروری کاغذات منسلک کئے۔ ولایتی ڈاک کی روانگی سے دو
دن پیشتر میں نے انگلنڈ میں اپنے ایک دوست کو چٹھی لکھی۔ اس میں
لکھا تھا۔ کہ ڈاک کے مقررہ دن سے پہلے یہ خط میں اس لئے بھیجتا
ہوں کہ ڈاک کے دن تک خط لکھنے کے لئے آزاد رہنے کا بھروسہ
نہیں۔ میں نے اسکو پنجاب کی حالت اور اپنی گرفتاری کی نسبت
افواہوں سے اطلاع دی تھی۔ میرا قیاس بالکل غلط ثابت نہ ہوا۔
میں اخبار میں اشاعت کے لئے ایک چٹھی (کہ جس میں پنجاب کی موجود الوقت
پولیٹکل حالت کا ذکر تھا) لکھ رہا تھا۔ کہ میرے چند دوست جن میں
لالہ ہنسراج جی پرنسپل ڈی اے وی کالج لاہور بھی تھے۔ تشریف
لائے۔ اور مجھے باہر سیر کے لئے چلنے کو کہا۔ میں نے جواب دیا
کہ نہ تو مجھے فرصت ہے اور نہ ہی میں ایسی حالت میں ہوں کہ تفریح

کے لئے جا سکوں۔ اُنہوں نے یہ کہہ کر مجھے ساتھ چلنے پر مایل کرنا چاہا کہ میں لاحاصل تشویشوں کے لئے اپنا آپ کھو رہا ہوں۔ لیکن میں اپنے انکار پر اڑا رہا۔ اور اپنے لہجہ سے جتلا دیا۔ کہ خود اختیار کردہ کام سے مجھے باز رکھنے کی کوشش بیفایدہ ہے۔ اس امر کے متعلق افسوس ظاہر کئے بغیر کہ اپنے معزز دوستوں کو جن کے لئے میرے دل میں بھاری عزت موجود تھی میں نے کس رُوکھے لہجہ میں کورے جواب دیئے ہیں۔ میں اپنے کام میں لگا رہا اور کھانا کھانے سے بیشتر وہ چٹھی ختم کر لی۔ کھانا کھانے کے بعد ایک یا دو چٹھیاں میں نے اور لکھیں اور پھر چیف کورٹ کو جانے کے لئے کپڑے پہنے۔ کورٹ میں اس دن میرا کوئی کام نہ تھا۔ لیکن دو دن پیشتر میرا ایک موکل مجھے ساڑھے تین سو روپیہ کسی سینئر بیرسٹر کو مقرر کرنے اور ایک متفرق مقدمہ میں درخواست نگرانی داخل کرنے کو دے گیا تھا۔ میں نے روپیہ جیب میں ڈالا۔ اور گاڑی لانے کو کہا۔ تاکہ اپنے موکل کا کام کر آؤں۔ لکھی ہوئی چٹھیاں اور اخبار کے لئے چٹھی میرے ہاتھ میں تھی۔ کہ میرے منشی نے آ کر اطلاع دی۔ کہ دو جنٹلمین مجھے ملنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ اسکا ذکر اگلے باب میں کیا گیا ہے ؂

گرفتاری اور جلاوطنی

یہہ اطلاع ملنے پر کہ باہر دو جنٹلمین مجھے ملنا چاہتے ہیں۔ میں ان کے استقبال کے لئے گیا۔ یہ دونوں صاحب لالہ گنگا رام انسپکٹر پولیس انارکلی اور منشی رحمت اللہ انسپکٹر پولیس شہر لاہور تھے۔ موخرالذکر نے کہا۔ کہ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ کیوں۔ چونکہ ان دنوں میں صاحب کمشنر لاہور مختلف اشخاص کو بلا کر موجودالوقت بے چینی دور کرنے میں بیچ بچاؤ کرنے کے لئے کہہ رہے تھے۔ پہلے خیال ہوا کہ شاید مجھے بھی اسی لئے طلب کیا گیا ہو۔ میں نے منشی رحمت اللہ سے کہا۔ کہ چونکہ مجھے کچہری میں تھوڑا کام ہے اس لئے میں وہاں سے واپس ہوتا ہوا کمشنر صاحب سے ملونگا۔ منشی رحمت اللہ نے کہا۔ کمشنر صاحب دفتر

ضلع میں بیٹھے ہیں اور صرف چند منٹ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اسکے بعد آپ کچہری جا سکتے ہیں۔

مجھے شُبہ ہو گیا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "بہت بہتر۔ آئیے۔ میری گاڑی تیار ہے۔ ہم اکٹھے چلتے ہیں" جب میں اور انسپکٹر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ تو میں نے وہ چٹھیاں جو میرے ہاتھ میں تھیں اپنے منشی کو دیدیں۔ اور اسکو کورٹ میں ملنے کو کہہ دیا گاڑی دروازے سے گذر رہی تھی کہ مسٹر رینڈل ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس میری کوٹھی کی طرف آتے دکھائی دیئے۔ ایک اور یورپین افسر بھی ادھر ہی کو آرہا تھا۔ دونوں کود کر گاڑی کے پائدانوں پر چڑھ آئے اور پولیس کی آمد کا مطلب صاف ہو گیا۔ میں نے مسٹر رینڈل کو گاڑی کے اندر آجانے کو کہا۔ اور وہ اندر آگئے۔ پولیس ضلع کا دفتر میری کوٹھی سے دو منٹ کی راہ ہے۔ یہاں پہنچتے پر کمشنر نے مجھے اطلاع دی کہ نواب گورنر جنرل باجلاس کونسل کے مجریہ وارنٹ کی رُو سے میں گرفتار کیا گیا ہوں اور میری جلاوطنی کا حکم صادر کیا گیا ہے۔ مگر میرے ساتھ اچھا سلوک کیا جائیگا۔ میں نے یہ سُنتے ہی جواب دیا کہ میں آپ کے اختیار میں ہوں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ میرے اور کمشنر کے علاوہ مسٹر مانٹ ڈپٹی کمشنر۔ مسٹر رینڈل ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ایک اور یورپین جن سے میں واقف نہ تھا اسوقت کمرے میں موجود تھے۔ کمشنر نے دریافت کیا۔ کہ آیا میں اپنی جلاوطنی سے بیشتر کسی کو ملنا چاہتا ہوں۔ میں نے فوراً جواب دیا "نہیں" اس

نے پھر دریافت کیا۔ کہ آیا میں اپنے متعلقین کو کوئی چٹھیاں لکھنا چاہتا ہوں۔ اور آیا مجھے گھر سے کپڑے اور بسترا لینے کی تو خواہش نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا۔ کہ میں بسترہ منگوانا اور ایک دو چٹھیاں لکھنا چاہتا ہوں۔ اس نے کاغذ۔ قلم۔ دوات مہیا کردی لیکن بعد میں ایک افسر سے مشورہ کرکے کہا کہ چٹھیاں چھ بجے شام سے پیشتر نہیں پہنچائی جائینگی۔ اور میرے کپڑے اور بسترہ پیچھے سے پہنچ رہے ہیں۔ میں نے فوراً دل میں فیصلہ کرلیا۔ کہ اس موقعہ پر مجھے کون سا طرز عمل اختیار کرنا چاہئیے؟۔ وہ فیصلہ یہ تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس سے کامل لاپرواہی کا اظہار ہو۔ کمشنر کی اس عنایت کو میں نے منظور کرلیا۔ اور دو چٹھیاں (جن میں سے ایک انگریزی میں تھی) اپنے دوست لالہ دوارکا داس اور اپنے بیٹے پیارے لال کو لکھیں۔ لالہ دوارکا داس کے نام والی چٹھی کے ساتھ تین سو پچاس روپے کے نوٹ منسلک کئے۔ اس چٹھی میں میں نے لالہ دوارکا داس سے خواہش کی تھی۔ کہ وہ روپیہ میرے موکل کو واپس کردیں۔ یا اگر وہ چاہے تو اس کے مقدمہ میں پیروی کریں۔ اس میں یہ بھی درخواست تھی کہ اگر میرے موکل منظور کریں۔ تو وہ میرے چند مقدمات میں حاضر ہوں۔ ورنہ موکلوں کے مختتانے انہیں واپس دیئے جاویں۔ اس چٹھی میں جلاوطنی کی غرض سے اپنی گرفتاری کا ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا۔ کہ مقام مقصود کی نسبت کچھ معلوم نہیں۔ کیونکہ کمشنر نے مجھے یہی کہا تھا۔ کہ اس کے متعلق اطلاع دینے کی آپ کو

اجازت نہیں ہے۔ خاتمہ پر لالہ دوار کا داس جی کو لکھا تھا۔ کہ وہ میری گرفتاری پر بالکل تشویش میں نہ پڑیں۔ کیونکہ میں پرماتما کے ہاتھ میں ہوں اور پرماتما جو کرتے ہیں بھلی ہی کرتے ہیں۔ یہہ چٹھی بند کرنے کے بعد میں نے کمشنر سے دریافت کیا۔ کہ آیا میں روپیہ اپنے پاس رکھ سکتا ہوں۔ اُس نے کہا بیشک۔ چنانچہ میں نے نوٹ چٹھی سے جدا کر لئے اور چٹھی کے خاتمہ پر اس کے متعلق ایک نوٹ علیحدہ لکھ دیا۔ اپنے بیٹے کو میں نے اپنی گرفتاری کے واقعہ سے اطلاع دیکر اس سے خواہش کی تھی۔ کہ میری غیر حاضری میں وہ اپنے دادا کی تابعداری اور دلجوئی کرے اور اُنہیں ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش کرے۔ یہ بھی لکھا تھا کہ کپڑوں کے چند جوڑے بسترے سمیت پولیس کے دفتر میں پہنچا دیئے جائیں۔

جب میں چٹھیاں ختم کر چکا تو کسی آتشیں ہتھیار کی تلاش میں میری جامہ تلاشی ہوئی۔ اس کے بعد مجھے ڈپٹی کمشنر کے ساتھ موٹر کار پر جانے کو کہا گیا۔ موٹر کار باہر کھڑی تھی۔ سول ملٹری کے الفاظ میں موٹر کا چکر ڈپٹی کمشنر کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے پاس ہی ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس بیٹھے تھے۔ پچھلی نشست پر میں اور ایک یورپین سب انسپکٹر پولیس تھے۔ موٹر پر بیٹھ کر میں نے منشی رحمت اللہ کو جو وہاں مجھے دکھائی دیئے، سلام کیا۔ موٹر کار گول باغ سے گذرتی ہوئی ٹھنڈی سڑک کو گئی۔ یہاں دو یورپینوں نے جو ایک گھوڑا گاڑی پر آرہے تھے موٹر کو ٹھیرالیا۔ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ نے موٹر سے اُتر کر

گاڑی والے اصحاب سے کچھ باتیں کیں۔ گفتگو ایک آدھ منٹ ہی
ہوئی، اور موٹر پھر سیدھی میانمیر کو چلی۔ نہر کا پل گذر کر میں نے دیکھا کہ
دیسی اور گورہ سپاہی پیدل اور سوار کثیر تعداد میں شہر کو جا رہے ہیں
ساتھ ہی کچھ توپیں بھی تھیں۔ اس نظارے سے قہقہہ لگانے کو جی چاہتا
تھا۔ مگر میں نے ضبط کیا۔ تھوڑی دیر بعد موٹر کار ایک یورپین حفاظتی
چوکی کے سامنے ٹھہری۔ مجھے اُترنے کو کہا گیا۔ ڈپٹی کمشنر کمان افسر
سے ملے اور غالباً ان سے میرا ذکر کیا۔ اور بتلایا وہ کیوں آئے ہیں
ڈپٹی کمشنر اور کمان افسر آگے آگے چلے۔ دو پولیس افسروں کے درمیان
میں پیچھے پیچھے ہولیا۔ کوارٹر گارڈ پہنچنے پر ایک کوٹھڑی کا دروازہ
کھول کر مجھے اندر جانے کو کہا گیا۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ
بند اور ایک گورہ سپاہی پہرے پر تعینات کیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر نے دریافت
کیا۔ کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ میں نے جواب نفی میں
دیا۔ اس کے بعد صاحب ڈپٹی کمشنر اور کپتان پولیس دونوں چلے گئے
یورپین سپاہیوں کو ان کوٹھڑیوں میں کوئی قصور کرنے پر بند
کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق قواعد دیوار پر آویزاں تھے۔ وہ
میں نے پڑھے۔ سونے کے لئے ایک چوبی تخت پوش کمرے میں
پڑا تھا۔ اس سے گرد جھاڑی اور کوٹ اُتار کر اس پر لیٹ گیا۔
کیونکہ میں جگر میں تھوڑا تھوڑا درد محسوس کر رہا تھا۔ مئی کے دن لاہور
میں عموماً بہت گرم ہوتے ہیں۔ مگر ۱۹۰۷ء میں آغاز بہار کی
بارشیں کسی قدر دیر بعد ہوئی تھیں۔ چونکہ میرے جگر میں قدرے

درد کرتا تھا۔ اس لئے میں نے احتیاطاً گرم کپڑے پہن رکھے تھے۔ معلوم نہیں۔ کہ اس کوٹھڑی میں کتنے درجہ کی گرمی تھی۔ مگر خاصی گرمی تھی۔ اور اس لئے میں نے واسکٹ بھی اُتار دی۔

گرفتاری سے ایک گھنٹہ کے اندر ہی مجھے تنہائی میں اپنی آئندہ حالت کی نسبت سوچنے کا موقعہ مل گیا۔ میں نے گورہ سپاہی کے زندانی بستر پر لیٹے لیٹے اپنی گذشتہ زندگی پر نگاہ ڈالی۔ پرماتما کا دھنباد کیا۔ کہ گرفتاری کے موقعہ پر مجھے سمبندھیوں کا کلاہل نہیں دیکھنا پڑا۔ کیونکہ اگر میرا پتا۔ استری یا میرے بچوں میں سے میری گرفتاری کے موقعہ پر کوئی موجود ہوتا۔ تو اس کلاہل کے دردناک اثر سے متاثر نہ ہونا مشکل تھا۔ دوسری بات دھنباد کے لایق یہ تھی کہ میری ماتا کا دیہانت ہو چکا تھا۔ اپنے پتا کے رنج کا صرف خیال تھا مگر اتنا حوصلہ تھا۔ کہ وہ مضبوط دل گردے کے انسان ہیں۔ اور اس مصیبت پر بھی حوصلہ نہ ہارینگے۔ اس سے مجھے ان کی نسبت بھی تسکین تھی۔ استری اور پتروں کی نسبت مجھے چنداں تشویش نہ تھی۔ کیونکہ وہ میرے پتا کی حفاظت اور نگرانی میں تھے۔ اس طرح خانگی تعلقات کی فکر سے دل کو آزاد کر کے میں نے اپنی حالت پر غور کرنا شروع کیا۔ اور اخلاقی یا خیالی کسی قسم کی بھی کمزوری کا کہیں نام ونشان موجود نہ پایا۔ اور دل شکستہ ہونے کے لئے کوئی بھی وجہ نہ دیکھی۔ بچپن سے ہی پرماتما کی حکمت اولے کا قائل تھا۔ یہی وشواس مجھے اس وقت بھی بل دے رہا تھا۔ میں نے حالات موجودہ

میں ہر ایک تکلیف اور مصیبت کا مقابلہ کرنے کی پوری ہمت اپنے اندر پائی۔ اپنے حوصلہ وہمت کا امتحان کرنے کے بعد میں ہمیشہ کی نسبت زیادہ مضبوط دل اور زیادہ مطمئن تھا۔ اپنی ذات خاص کا امتحان کرنے کے خاتمہ پر پرماتما سے پرارتھنا کی۔ کہ وہ مصائب کو مردانہ وار برداشت کرنے کے لئے ادہک بل دیں۔ اور مجھ سے دانستہ یا نادانستہ کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو۔ کہ جس سے میرے وطن کی ترقی کے مقدس مقصد کو کوئی ہانی پہنچے۔ اور میری سوسائٹی کے لئے بدنامی اور شرمساری کا موجب ہو۔

ذاتی دیکھ بھال کے بعد مجھے گورنمنٹ کی حرکت پر ہنسی آئی۔ کیونکہ میں اپنے اہل وطن کو اچھی طرح جانتا تھا۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ محض مخبروں کے بھڑکانے پر مایوسانہ حالت مان کر گورنمنٹ نے کیسا غلط طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ پرماتما کا ہاتھ کالے بادلوں کے درمیان ایک نورانی شعاع کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ کہ جن اسباب نے میرے وطن کو اس قدر عرصہ تک غلام بنائے رکھا تھا۔ وہ اب کمزور اور بوسیدہ ہو رہے ہیں۔

قریباً ایک گھنٹہ کے بعد میں نے اندر کا دروازہ کھولا۔ اور آہنی سلاخوں کی جھنجری سے باہر نظر ڈالی۔ پہرے پر ایک گورہ بڑی توجہ سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ تھوڑا عرصہ بعد پہرہ تبدیل ہوا۔ دوسرے پہرہ دار گورہ سپاہی سے میں نے وقت دریافت کیا۔ اس نے بخندہ پیشانی جواب دیا۔ کچھ اور بھی کہا۔ مگر میں سمجھا نہیں۔ اور اس طرح

اسکے ساتھ بات کرنے کا موقعہ مل گیا۔ چار بجے کے قریب پولیس کا ایک افسر وردی پہنے آیا۔ اور مجھ سے کھانے کو دریافت کیا۔ میں نے صرف پانی مانگا۔ وہ تھوڑی دیر بعد ایک ہندو کہار کو لئے ہوئے پہنچا۔ میں نے تھوڑا پانی پیا اور باقی سے منہ دھویا۔ چھ بجے دروازہ کھلا اور مسٹر رینڈل ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے مجھے نام لیکر پکارا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ساتھ ایک اور یورپین پولیس افسر اور ایک مسلمان تھانیدار بھی تھا۔ سپرنٹنڈنٹ نے مجھے کوٹھڑی سے باہر آنے کو کہا۔ اور میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ سڑک پر فٹن کھڑی تھی۔ فٹن پر سوار ہوکر ہم میانمیر سٹیشن کے اس مقام پر پہنچے جہاں فوج اُتاری اور چڑھائی جاتی ہے۔ یہاں ایک ٹرین ہمارے لئے تیار تھی۔ ایک یورپین نے مجھے ایک گاڑی میں داخل ہونے کو کہا۔ گاڑی میں داخل ہونے کے بعد مسٹر رینڈل نے مجھ سے کہا۔ کہ چٹھیاں پہنچا دی گئی ہیں۔ اس نے مجھے گوڈ ایوننگ کہا۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس سے اس کی مراد دلی کیا تھی۔ مگر میں نے فوراً ہی صدق دل سے اسکو جواب دیا۔ اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی فوراً روانہ ہوئی۔ اس واقعہ کو اب ایک سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ مگر میں اسکا خیال کر کے صدق دلی سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ مجھے یقین نہیں ہوتا تھا۔ کہ میں لاہور سے ہمیشہ کے لئے آخری دفعہ جدا ہو رہا ہوں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں معمولی مختصر سفر کو جا رہا ہوں۔ اگرچہ یہ پتہ نہیں کہ کتنی مدت یہاں سے غیر حاضر رہنا ہوگا۔

ٹرین روانہ ہوتے ہی متعینہ پولیس افسر یعنی ڈپٹی انسپکٹر جنرل ریلوے پولیس میری گاڑی میں آیا۔ اور اس کی موجودگی میں یورپین پولیس انسپکٹر نے پھر میری تلاشی لی۔ مجھ سے نوٹ اس وعدے پر لے لئے گئے کہ خاتمہ سفر پر مجھے واپس دیدیئے جائیں گے۔ میری سونے کی گھڑی اور زنجیر پہلے تو میرے پاس رہنے دی گئی۔ مگر کچھ مشورہ کرکے وہ بھی انسپکٹر نے اپنے قبضہ میں کر لی۔ اعلیٰ پولیس افسر متعینہ نے کہا۔ کہ اُن کو اس کارروائی پر افسوس ہے۔ مگر وہ اپنے بچاؤ کی خاطر مجبور ہیں۔ مَیں نے جواب میں کہا۔ کہ مَیں نے کوئی ایسا فعل نہیں کیا تھا۔ کہ جس کے لئے موجودہ سلوک کا مستوجب ہوتا۔ میری رائے میں یہ ساری خرابی ناتجربہ کار اور مغرور نوجوان انگریزوں کی پیدا کی ہوئی ہے۔ کہ جن کو وسیع اور لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔ پولیس افسر نے کہا۔ کہ شاید چند افسروں کی نسبت یہ تعریف درست ہو مگر سب انگریز خاص نگرانی میں اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور یہ صحیح نہیں کہ اُن کو کوئی روکنے والا نہیں۔ تھوڑی دیر اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد اُس نے کہا کہ گورنمنٹ آپ سے بُرا سلوک کرنا نہیں چاہتی۔ اور رہایش وغیرہ کے متعلق جو انتظام کیا گیا ہے اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں۔ مَیں نے اس کے لئے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اگر گورنمنٹ اپنے بچاؤ کے لئے مجھے لاہور سے کہیں دور لے جانا چاہتی ہے۔ تو میرے نزدیک اس سے کوئی اہم نتیجہ مترتب نہ ہوگا۔ اس پر افسر مذکور نے جواب دیا کہ ... سے

میں یہ اخذ کر سکا۔ کہ میری جلا وطنی دایمی نہیں بلکہ عارضی ہے۔ اور اسکا زمانہ کچھ بہت لمبا نہ ہوگا۔ اس مکالمہ کے خاتمہ پر افسر نے مجھے کہا۔ کہ حفاظتی گارد میں دو ہندو پولسمین بھی ہیں۔ وہ کھانے پینے میں میری خدمت کرینگے۔ اور علاوہ بریں انسپکٹر کو بھی ہر طرح خیال رکھنے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔ اس نے ایک سرہانہ۔ ایک چادر اور کمبل دینے کے لئے انسپکٹر کو کہا۔ اور انسپکٹر نے مجھے یہ چیزیں اپنے بستر سے نکال کر دیدیں۔ انہیں اشیا کا ذکر کرتے ہوئے اینگلو انڈین اخباروں نے میرے اہل مُلک کو اُکسانا چاہا تھا۔ کہ میں صرف زبان ہی سے سودیشی کا واعظ تھا۔ ورنہ اس پر میرا عمل نہ تھا۔ اور میرے بستر کے کپڑے انگریزی تھے۔ اُن کو شاید یہ معلوم نہ تھا کہ یہ کپڑے اُن کی گورنمنٹ نے دیئے تھے۔ افسر پولیس سے میں نے کہا۔ کہ چونکہ میرے جگر میں قدرے درد محسوس ہوتا ہے۔ اسلئے مجھے فلالین کا ایک ٹکڑہ منگوا دیا جائے۔ اس نے اس کے لئے وعدہ کر لیا۔ مگر وہ اپنا اقرار پورا نہ کر سکا۔ کیونکہ اس بات کو سخت پوشیدہ رکھا جا رہا تھا کہ میں اس گاڑی میں سفر کر رہا ہوں۔ ریلوے کے ملازمین سے کہا گیا تھا۔ کہ یہ ریلوے بورڈ کی سپیشل ٹرین ہے۔ میری نگرانی کے لئے ایک مسلمان سب انسپکٹر چھ مسلمان سپاہی۔ ایک ہندو سپاہی اور ایک ہندو سارجنٹ تعینات کئے گئے تھے۔ اور ہر ایک سٹیشن پر ان پولیس والوں کی بھی احتیاط سے نگرانی کی جاتی تھی

جنڈیالے پہنچکر افسر مذکور میرے سے علیحدہ ہوا - اور میں رات آرام سے بسر کرنے کی تیاریاں کرنے لگا - میرے دلی اطمینان کی حالت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے - کہ اگرچہ مجھے ایک عرصہ سے بے خوابی کی شکایت تھی - مگر اس رات میں مزے سے سویا - صرف ایک دفعہ مجھے گرم دودھ پلانے کے لئے بطور بیدار کیا گیا - دوسرے دن جب صبح میں جاگا - تو پنجاب پیچھے رہ گیا تھا - اور ہم اودھ روہیلکھنڈ ریلوے کی لاین پر سفر کر رہے تھے - پنجاب میں سفر کرتے ہوئے گاڑی کی تاکیاں بند کی ہوئی تھیں - مگر اودھ روہیلکھنڈ ریلوے کی لاین پر سٹیشنوں کے درمیانی راہ میں کھڑکیاں کھول دی جاتی تھیں - اور سٹیشن آنے پر بند ہو جاتی تھی - میں سٹیشنوں کے نام پڑھ سکتا تھا - اس لئے مجھے معلوم تھا - کہ ٹرین کس لاین پر جا رہی ہے دوسرے دن کا آفتاب غروب ہونے سے تھوڑا عرصہ پہلے ٹرین موہن لال گنج کے سٹیشن پر ٹھیر گئی - یہ سٹیشن لکھنؤ سے پرے شاید پہلا سٹیشن ہے - گرمی سخت تھی - مگر گاڑی میں ایک پنکھا قلی پنکھا کر رہا تھا - یہاں گاڑی کئی گھنٹے تک ٹھیری رہی - معلوم ہوتا تھا - کہ افسر انچارج پیچھے سے ہدایات کا منتظر تھا - یا جہاں ہم نے پہنچنا تھا - وہاں کے انتظامات مکمل ہونے کی خبر کا انتظار کر رہا تھا - سٹیشن کی طرف کھڑکیاں بند کی گئیں - اور دوسری طرف سخت پہرہ لگا دیا گیا - آدھی رات کو ٹرین پھر روانہ ہوئی اور قبل دوپہر اگلے روز مغلسرائے سٹیشن پر معقول عرصہ کے لئے جا ٹھہری - یہاں میں نے نہانا چاہا - اور پاجامہ اور قمیض

بدلنے کو کہا۔ دیسی سب انسپکٹر بازار سے ایک سلا سلایا پاجامہ اور ایک قمیض خرید لایا۔ اور میں نے نہا کر دونوں کپڑے بدل لئے۔

دوسری صبح کو ہم ایسٹ بنگال ریلوے کے سٹیشن ڈائمنڈ ہاربر پہنچ گئے انسپکٹر نے پہلے سے ہی پولیس والوں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا تھا۔ پولیس کا اعلےٰ افسر میرے پاس آیا اور پوچھا کہ آیا مجھے معلوم ہے کہ میں کہاں ہوں؟ یا میں قیاس لگا سکتا ہوں کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ میں نے جواب میں کہا۔ کہ میں اس سٹیشن سے واقف ہوں۔ اور غالباً مجھے رنگون یا مانڈلے کو بھیجا جا رہا ہے۔ اس پر اسکو کسی قدر حیرت ضرور ہوئی ہوگی۔ کیونکہ اسوقت تک یہ امر مجھ سے باحتیاط مخفی رکھا گیا تھا۔ کہ مجھے کہاں پہنچایا جائیگا۔ اعلےٰ افسر نے دریافت کرنے پر کہا تھا۔ کہ اس کو مقام مقصود بتلانے کا حکم نہیں۔ ماتحت افسروں نے قسم کھائی تھی۔ کہ انہیں پتہ نہیں۔ کہ کہاں جانا ہے؟ گو کم از کم انسپکٹر کو پورا علم تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔

دوران سفر میں خوراک کا انتظام نہایت ناقص تھا۔ یہ انتظام انسپکٹر کے سپرد تھا۔ گاڑی سے اتر کر تھوڑی دور دریا کے کنارے کنارے چلنے کے بعد ہم ایک سٹیمر کے ذریعے گورنمنٹ کے دخانی جہاز گائیڈ پر پہنچے۔ میں نے اپنے پتا کو تار بھیجنا چاہا۔ مگر اس کی منظوری نہ دی گئی۔ اور مجھے کہا گیا۔ کہ اگر میں چٹھیاں لکھوں تو انسپکٹر جنرل پولیس کی معرفت پہنچا دی جائینگی۔ میں نے دو چٹھیاں لکھیں۔ ایک اپنے پتا اور دوسری اپنے لڑکے کے نام تھی۔ مقدم الذکر چٹھی[1] دستیاب نہیں

ملہ یہ چٹھی کبھی نہیں پہنچی [illegible]

ہوئی۔ مگر موخرالذکر مل گئی ہے۔ اور وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

۱۷ مئی ۱۹۰۷ء

از ڈائمنڈ ہاربر

میرے پیارے پتر۔ جب کہ موجودہ حالت میں ممکن ہو سکتا ہے میں اچھی طرح سے ہوں۔ میں ایک بات کا تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنا حوصلہ مضبوط رکھنے اور موجودہ مصیبت کو محسوس نہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ جو کچھ بھی سر پر آئے میں بخوشی جھیلنے کو تیار ہوں اپنے دادا اور ماتا کی احتیاط سے خبرگیری کرو۔ ان کے فرمانبردار رہو اور انہیں تسلی دو خصوصیت سے اپنی ودھوا بہن اور اسکے بچے کا پورا خیال رکھو۔ اپنے چچاؤں سے تمہیں اچھا سلوک رکھنا چاہیئے۔ اس بدقسمتی کو مردانہ وار برداشت کرو۔ پیارے کرشن کے لئے بھی مضمون واحد ہے۔ پیارے کرشن اور امرت کی تعلیم میں ہرج نہ ہونے پائے۔ میرے دونوں کو نہ بھولنا اور انہیں کہہ دینا کہ میں موجودہ مصیبت سے پست حوصلہ نہیں ہوا۔

تمہیں ہمیشہ پیار کرنیوالا
لاجپت رائے"

دریا کے کنارے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پنجاب پولیس رخصت ہوئے۔ اور چلتے ہوئے کہا۔ اب آپ ہندوستان سے جاتے ہیں۔ دیکھئے کب واپس آئیں گے۔ جب میں سٹیمر میں بیٹھ گیا۔ تو اس نے بنگالی پولیس افسر کو سلام کیا اور ریلوے سٹیشن کو واپس ہو گیا۔ بنگالی پولیس افسر مانند شائستہ اطوار کا سخت مزاج سا انسان معلوم ہوتا تھا اور حلیم المزاجی

اور خوش اخلاقی کی صفات کے نام تک سے نا آشنا تھا۔ سٹیمر کشتی پر کئی
کرسیاں موجود تھیں۔ مگر اس نے مجھے کوئی کرسی بیٹھنے کو نہ دی۔
حالانکہ یورپین انسپکٹر اور سب انسپکٹر کے ساتھ وہ بڑے تپاک سے ملا
اور صرف کرسیاں ہی انہیں پیش نہ کیں بلکہ چار اور تمباکو سے بھی
اُن کی تواضع کی۔ تھوڑی دیر بعد ہم جہاز کے ایک پہلو پر جا پہنچے۔ میرے
محافظوں نے اسباب جہاز میں پہنچا دیا۔ میرے سوار ہونے ہی جہاز
میری جلا وطنی کی منزل مقصود کی طرف چل نکلا۔

مجھے معلوم ہوا۔ کہ ایک بڑا سا پانی کا گھڑا۔ ایک ٹوکری چبینے اور
بھنے ہوئے چنوں کی۔ جو عموماً مزدوری پیشہ لوگوں کی خوراک ہے۔ ایک
ٹوکری میں آٹا۔ کچھ دال۔ ایک ٹین میں گھی اور کچھ کیلے وغیرہ خاص
میرے استعمال کے لئے جہاز میں بہم پہنچائے گئے تھے۔ چونکہ پانی کا
باسن رکھنے وغیرہ میں دقت ہو رہی تھی۔ میں نے کہہ دیا۔ کہ میں ذات پات
کی سخت پابندیوں کا قایل نہیں۔ اس کے بعد یورپین انسپکٹر کپتان
جہاز سے مخاطب ہوا۔ اور جگہ کے لئے دریافت کیا۔ کپتان نے
اسباب رکھنے کے ایک گُفا کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ کہ میں قیدی اور
اس کے محافظ کے لئے سوائے اس کے اور کوئی جگہ نہیں دے سکتا۔
انسپکٹر کپتان کو الگ لیگیا۔ اور اپنے لئے اور یورپین سب انسپکٹر کے
لئے دو کوٹھڑیاں دینے پر کپتان کو آمادہ کر لیا۔ سپاہیوں نے
اسباب کوٹھڑیوں میں پہنچایا۔ اور مجھے اُس اسباب رکھنے والی گفا
میں جہاں متعفن اور مرطوب ہوا بند تھی داخل ہونے کو کہا گیا۔

میں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ میں اس جگہ نہیں ٹھیر سکتا۔ کیونکہ میں ایسی متعفّن جگہ رہنے کا عادی نہیں۔ اور قانون کی رو سے گورنمنٹ ذمہ وار ہے۔ کہ میری حیثیت کے مطابق میرے بآرام رہنے سہنے کا بندوبست کرے۔ انسپکٹر نے مجھ سے کہا۔ کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے یہاں ٹھیریں۔ میں کپتان سے پھر ملتا ہوں۔ اور کسی اچھی جگہ کا انتظام ہو جائیگا۔ ایک گھنٹہ بعد انسپکٹر نے آکر کہا۔ کہ جو کوٹھڑی یورپین انسپکٹر کو دیگئی ہے۔ وہ آپ کے حوالے کی جائیگی۔ کپتان مجبور تھا۔ اور وہ کوئی اور کیبن نہیں دے سکتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ ادل بدل کر دیا۔ لیکن وہ نئی کوٹھڑی بھی استعمال کرنے کے لایق نہ تھی۔ اس لئے مجھے جہازی سفر کا زمانہ جہاز کی چھت پر ہی گذارنا پڑا۔

مسلمان سپاہی اور مسلمان سب انسپکٹر بیمار ہو گئے۔ میری طبیعت بھی خراب ہو گئی۔ ہندو سپاہی اور ہندو سارجنٹ بالکل تندرست تھے۔ اور بحری سفر کی کیفیت کا پورا لطف اٹھا رہے تھے۔ مسلمان سپاہیوں کی حالت کمی خوراک کے باعث قابل رحم ہو رہی تھی۔ ملاحوں کی خوراک نہ تو انہیں پسند تھی۔ اور نہ ان کے موافق تھی۔ ان میں سے کوئی بھی خود کھانا پکانے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اور ہندو سپاہی ان کے لئے کھانا پکانا پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے وہ سخت تکلیف اٹھا رہے تھے میں نے اور یورپین انسپکٹر نے اپنے کھانے میں سے اُن کی کچھ مدد کی۔ مگر یہ مدد مشکل سے کافی ہو سکتی تھی۔ ان کی حالت پر مجھے ترس آیا۔ اور میرے دل کو رنج ہوا۔ کہ چھ مضبوط پنجابی مسلمان جوان جہاز پر

درحقیقت فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ گورنمنٹ کی طرف سے اس غیر معمولی ڈیوٹی پر لگائے گئے تھے۔ اور اس سے گورنمنٹ کا فرض تھا کہ وہ ان کی خوراک وغیرہ کا معقول انتظام کرتی۔ حقیر اور قلیل تنخواہوں کے ہندوستانی ملازموں کی حالت کا کثیر المشاہرہ اور نازوں پالے یورپین ملازموں کی حالت کے ساتھ مقابلہ سخت رنجدہ اور افسوسناک تھا سوائے ایک کے سب کی تنخواہ سات روپے سے نو روپیہ ماہوار تھی۔ اس بحری سفر میں انہیں اپنی خوراک خود بہم پہنچانی پڑتی تھی۔ حالانکہ یورپین افسروں کو جو سینکڑوں روپے تنخواہ پاتے تھے خوراک گورنمنٹ کی گرہ سے ملتی تھی۔ جہاز کے یورپین افسروں کا برتاؤ نہایت روکھا پھیکا تھا۔ کپتان جہاز نے ایک دو دفعہ پولٹیکل معاملات پر میرے ساتھ گفتگو کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ وہ بندے ماترم۔ ہندوستانی رعایا اور شری یت سریندر ناتھ بنرجی کو من مانی گالیاں سُناتا ہے۔ تو میں نے گفتگو بند کر دی۔ اور کپتان کو جتلا دیا۔ کہ میں اس مکالمہ کو جاری نہیں رکھنا چاہتا۔ کپتان زود رنج آدمی تھا۔ اپنا حکم منوانے کے لئے وہ ملاحوں کو گالیاں دیتے اور گھونسہ بازی سے بھی نہیں جھجکتا تھا۔ ایک خانساماں کو مارتے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ماتحت افسروں میں سے ایک افسر بہت ہی نیک مزاج اور زندہ دل معلوم ہوتا تھا۔ یہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ اور مجھے ہر موقعہ پر شگفتہ پیشانی سے ملتا۔

۱۲ مئی کو قبل دوپہر ہم ڈائمنڈ ہاربر سے روانہ ہوئے۔ اور ۱۵ مئی کو

بعد دوپہر رنگون پہنچ گئے۔ جہاز پر بھی میری نگرانی کے لئے پہرہ لگایا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ میں اس پر ایک دفعہ ہنس دیا۔ یورپین انسپکٹر نے میرے ہنسنے کا باعث دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا۔ کہ مجھے ڈوب مرنے کا کبھی خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ میرے اندازے میں میری زندگی میرے لئے اور میرے ملک اور اہل ملک کے لئے گورنمنٹ اور اس کے افسروں کے اندازے سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ انسپکٹر عموماً خوش خلاقی سے پیش آتا تھا۔ مگر میری نگرانی کا اُسے ہر دم فکر دامنگیر تھا۔

رنگون بندرگاہ پر پہنچ کر مجھے اپنی کوٹھڑی کے اندر بند ہو کر کچھ عرصہ انتظار کرنے کے لئے کہا گیا۔ یہ اس لئے کہ کشتیوں پر آتے جاتے لوگوں میں سے کوئی مجھے پہچان نہ لے۔ تھوڑی دیر بعد رنگون کے پولیس کمشنر تشریف لائے۔ اور مجھے ان کے پاس ڈیک پر پہنچایا گیا۔ کمشنر صاحب مغرور سے نظر آتے تھے اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپ کو اپنے عہدہ اور اختیارات کا غیر معمولی گھمنڈ ہے۔ اور اپنی خودداری کی نمایش کے مقابلہ میں ان کا کچھ خیال نہیں کہ جن کی قسمتیں آپ کے سپرد کی گئی تھیں۔ کمشنر صاحب سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔ کہ مجھے بیٹھنے کو کرسی پیش کرتے آپ نے فوراً مجھے جہاز کے نچلے کمرے میں جانے کا حکم دیا۔ جہاں ہوا بہت خراب تھی اور ایک قسم کا گھمس تھا۔ تھوڑی دیر بعد مقامی پولیس کا ایک افسر بھی میرے پاس آ گیا۔

جس وقت گائیڈ نے لنگر ڈالا۔ بارش زور شور سے ہو رہی تھی۔ ہمیں ایک غیر آباد گھاٹ پر اتار لیا۔ چند پنجابی پولیس کی وردی پہنے

نظر آتے تھے۔ ایک پالکی گاڑی میرے لئے خشکی پر کھڑی تھی۔ یورپین پولیس
انسپکٹر جو لاہور سے میرے ساتھ آیا تھا۔ میرے ساتھ اور مقامی پولیس
کا ایک افسر میرے سامنے کی نشست پر بیٹھ گئے۔ اس طرح کی نگرانی
اور حفاظت میں تاکہ میں کہیں بھاگ نہ جاؤں۔ ہم پانڈوروگ سٹیشن پر پہنچے
جو رنگون کے خاص سٹیشن سے کسی قدر فاصلہ پر واقعہ ہے۔ ٹرین آنے
تک ہمیں گاڑی میں ہی کچھ مدت ٹھیرنا پڑا۔ ٹرین پہنچنے سے تھوڑی دیر
پہلے کامل احتیاط اور حفاظت سے مجھے ایک چوبی پل پر سے دوسری
طرف لے گئے۔ برہمی عمارتوں۔ گھروں اور معبدوں وغیرہ کو میں جہاز
پر سے ایراوتی کے دونوں کناروں پر صبح سے دیکھ رہا تھا۔ اب برہمی
مردوں۔ عورتوں۔ بچوں اور بوڑھوں کے چہرے بھی دکھائی دیتے تھے۔
برہمیوں میں بہت سے ہندوستانی اور چینی بھی ملے جلے نظر آتے تھے
اور برہما والوں سے صاف جدا معلوم ہوتے تھے۔ جہاز ایراوتی ندی کے
دہانے میں داخل ہوتے ہی میرا دل خودبخود برہما اور برہمیوں کی طرف
کھنچنے لگا۔ معلوم نہیں اسکا باعث کیا تھا۔ آیا یہ کہ جلاوطنی کے زمانہ
میں مجھے برہمیوں کی ہمدردی اور حسن سلوک کی ضرورت تھی۔ یا یہ کہ
سوائے سیلون کے جہاں چند سال پیشتر میں تفریحاً سیر کے لئے گیا تھا۔
ہندوستان سے باہر یہ پہلا ایشیائی ملک تھا جو میں نے دیکھا تھا۔
اور اہل ایشیا کی پولیٹیکل بے بسی میری ہمدردی کو کھینچ رہی تھی۔ یا
یہ کہ برہما والوں کے مذہب کی ابتدا ہندوستان سے ہونے کے سبب
مجھے ایک خاص رشتہ اُن سے محسوس ہوتا تھا۔ خواہ کچھ بھی باعث ہو

بہرحال میں برہما والوں کے ساتھ ایک گہرا تعلق محسوس کرتا تھا۔ اور اس لئے میرا دل ان کی خیر خواہی کے خیالات سے معمور تھا۔ برہما کی سرزمین مجھے غیر اور اجنبی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان۔ بنگالی ہیں یا مدراسی میں ہر ایک ہندوستانی کے چہرے کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ میری نظروں میں وہ سب میرے اپنے تھے۔ کیونکہ ہم مضبوط ترین تعلقات اور متحدہ اغراض سے وابستہ ہیں۔ پل سے اُتر کر جب میں پولیس والوں کی حفاظت میں جا رہا تھا۔ ایک معزز پنجابی نے مجھے پہچان لیا۔ اس کے چہرے پر رنج و افسوس کی گھٹا چھا گئی۔ میں نے آنکھ کے اشارے سے اس کے سلام کا جواب دیا۔ اور آگے نکل گیا۔

مجھے اول درجہ کی گاڑی میں جو میرے اور میرے محافظ کے لئے تھی بٹھایا گیا۔ گاڑی سے پچھلی جانب کچھ سکھ پولیس کی وردی پہنے کھڑے تھے اور میری طرف اشتیاق سے دیکھتے ہوئے گفتگو میں سرگرم تھے۔ پولیس کمشنر نے انہیں کہلا بھیجا کہ وہ اپنے احاطہ سے باہر نہ جھانکیں اور میری گاڑی کی کھڑکیاں بند کرنے کا حکم دیدیا۔ دوسرے دن بعد دوپہر دو اور تین بجے کے درمیان مانڈلے پہنچنے تک ہر سٹیشن پر کھڑکیاں بند کرنیکا عمل برابر جاری رہا۔

سفر میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہ آیا۔ سوائے اس کے کہ مسلمان سپاہیوں کی طرف سے جو میری نگرانی کے لئے ساتھ بھیجے گئے تھے۔ میرے لئے بارہا ادب اور افسوس کے نشانات کا اظہار ہوا۔ اس

موقعہ پر مجھے یہ ذکر کرنا ضروری ہے۔ کہ لاہور سے مانڈلے تک ساری
راہ میرے نگراں گارد کے ہندو اور مسلمان سپاہیوں نے میرے ساتھ
نہایت مہربانی اور محبّت کا برتاؤ کیا۔ جہاز پر وہ میرے ساتھ بے تکلفانہ
گفتگو کرتے تھے۔ خصوصاً ایک نہایت شکیل اور نوجوان مسلمان سپاہی
نے اپنے دلی احساس کا جو اثر مجھ پر پیدا کیا وہ میں کبھی نہ بھولونگا۔ اس
نے میری بدقسمتی پر افسوس کرتے اور واقعی طور پر آنسو بہاتے ہوئے
اپنی اور اپنے ملک کی بے بسی اور بیکسی کا دلگداز الفاظ میں اظہار کیا
دوسروں نے بھی۔ اگرچہ وہ اتنے اور ویسے الفاظ استعمال نہ کر سکے۔
اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے۔ اور حتی المقدور مجھے آرام دینے میں کوئی
کسر اُٹھا نہ رکھی۔ ان میں سے ایک سپاہی نے رنگون سے مانڈلے
کو سفر کرتے ہوئے اپنے پلّے سے پرہمی کیلے خریدے اور مجھے پیش
کئے۔ اس کی خوشنودی کے لئے میں نے ایک کیلا لے لیا۔ اس نے
اور لینے پر اصرار کیا۔ اور بڑے درد آمیز انداز سے کہنے لگا۔ کہ شاید
آپ کو دیکھنے کا یہ آخری موقعہ ہو۔ اس کے جواب میں میں نے اسے
حوصلہ دلایا کہ ایشور کے گھر سے کبھی نراس نہ ہو۔ میں نے اُسے کہا۔ کہ
میرے اندر سے آواز سُنائی دیتی ہے۔ کہ تھوڑی مدت بعد میں اپنے
وطن کو واپس آؤنگا۔ میرے ان الفاظ کا اس پہ نہایاں اثر ہوا۔ اور
اس نے خوشی میں میرے پاؤں پکڑ لئے۔ میری زندگی میں یہ شاید
پہلا موقعہ تھا۔ کہ ہندوستانی دل کی پوتر تا۔ جس پر مغربی تہذیب کا ملمع
نہیں چڑھا ہوا تھا۔ بے ریائی سے اپنی اصلی شکل میں میری آتما کو متاثر

کر رہی تھی۔ ایک ہندوستانی جس کا مذہب میرے مذہب سے جدا تھا۔
جس کو افلاس زدہ زمینداری کی حالت نے سات یا آٹھ روپے مہینے
کی پولیس میں نوکری کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اپنے روزگار اور آئندہ کی
امیدوں سے محض اس لئے ہاتھ دھونے کے لئے تیار تھا۔ کہ میری
مصیبت میں میرے ساتھ اظہار ہمدردی کرے۔ اگرچہ اعلےٰ افسر پولیس
نے ان مسلمان سپاہیوں کو خصوصیت سے اسلئے انتخاب کیا تھا۔ کہ اُن
کو بلحاظ اعتقادات مذہبی مجھ سے مختلف ہونے کے سبب میرے
ساتھ ہمدردی نہ ہوگی۔ تو یہ سخت غلطی تھی۔ میری طرح ان کی نیت بھی
کسی لحاظ سے مجرمانہ نہ تھی۔ لیکن میری نسبت وہ اپنے محسوسات کو
چھپانا نہیں چاہتے تھے۔ اور میری ہر طرح کی خدمت گذاری سے
اُنہیں دریغ نہ تھا۔ مانڈلے پہنچنے کے بعد ان سے جُدا ہوتے ہوئے
میرے دل کو سخت رنج ہوا۔

مانڈلے پہنچکر گاڑی سے اُترنے کے بعد پلیٹ فارم آدمیوں سے
بالکل خالی کیا گیا تھا۔ پھر بھی کئی پنجابی چہرے دروازوں اور کھڑکیوں
سے میری طرف جھانکتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ سٹیشن سے نکلا
ہی تھا۔ کہ میرے دوست مسٹر دیودھر جو آنریبل مسٹر گوکھلے کی سرونٹ
آف انڈیا سوسائٹی (بھارت سیوک سبھا) کے ممبر ہیں اچانک میرے
پانوں پر آگرے۔ ایک دوست کا محبت کا بھرا ہوا ہاتھ چھونے سے مجھ
پر اثر ہوا۔ کہ میں بڑی مشکل سے اپنے آپ کو ضبط کر سکا۔ تھوڑی دیر
میں اس کیفیت کے زیر اثر۔ ہار گرفتاری اور جلا وطنی نے وہ اثر پیدا

نہیں کیا تھا۔ جو ایک دوست کے مس کرتے سے دل پر ہُوا۔ خوف تھا
کہ صبر و استقلال کی باگ ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔ دیو دھر نے
جوں ہی میرے پانوں چھوئے۔ پولیس والے یہ خیال کر کے جھپٹے کہ
میری رہائی کے لئے مرہٹہ بہادر نے چیتے کی طرح کمینگاہ سے نکل کر
حملہ کیا ہے۔ انسپکٹر نے میرا بازو پکڑا اور یورپین سارجنٹ نے مسٹر دیو دھر
کو مجھ سے الگ کر دیا۔ اپنے دوست کی طرف سے اظہار عزت افزائی
اور چھاتی سے لگانے کی کوشش کے جواب میں میں نے صرف سر جھکا دیا
دوسرے لمحہ میں وہ ہاتھ باندھے ہوئے گاڑی میں بیٹھا ہُوا گذر
رہا تھا۔ میں نے بھی ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔ مجھے رنج ہُوا کہ اب سے
مسٹر دیو دھر کی حرکات و سکنات کی یقینی طور پر نگرانی کی جائیگی۔ اسکے
متعلق میرا خیال بے بنیاد نہ تھا۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔ میں ۱۶ مئی کو مانڈلے پہنچا۔ گاڑی پر سوار ہو کر سٹیشن سے پارٹی قلعہ کو چلی۔ اسسٹنٹ کمشنر رنگون پولیس۔ جو رنگون سے ساتھ ہو لئے تھے۔ اور یورپین انسپکٹر جو لاہور سے ساتھ آیا تھا۔ میرے ہمراہ تھے۔ سٹیشن سے قلعہ کو جاتے ہوئے ایک پیچیدہ اور غیر آباد راستہ اختیار کیا گیا۔ آباد حصوں سے بچا کر گاڑی لے گئے۔ قلعہ کی نسبت میرا تصوّر جو کچھ تھا۔ دراصل قلعہ اس سے بالکل مختلف قسم کا نظر آیا۔ میرا خیال تھا۔ کہ یہ قلعہ تنہائی میں بلند جگہ پر۔ بلند فصیل سے گھرا ہوا

اور اسی قسم کا ہو گا۔ کہ جس قسم کے قلعوں کا ذکر انگریزی ناولوں میں عموماً پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ قلعہ درحقیقت میدان میں بنی ہوئی عمارتوں کا مجموعہ اور شہر مانڈلے کا ایک حصہ تھا۔ گو اس کے گرد اونچی دیوار موجود تھی۔ اور گرداگرد ایک گہری خندق پانی سے پُر ہو رہی تھی۔ قلعہ کے جنوبی دروازے سے داخل ہو کر شاہی محلات اور شاہی قبرستان کے پاس سے گذرتے ہوئے ہم انگریزی طرز کے خوبصورت بنگلے کے سامنے جا ٹھیرے۔ ایک افسر بنگلے سے نکل آیا۔ یہ جیل کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔ اور ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ لاہور کے پولیس انسپکٹر نے وارنٹ سپرد کی۔ ساڑھے تین سو روپے کے نوٹ۔ میری گھڑی اور زنجیر سپرنٹنڈنٹ کے حوالے کر کے میری اور مذکورہ اشیا کی رسید لے لی۔ یہ ساری کارروائی دفتر کے کمرے میں ہوئی۔ یہی کمرہ سپرنٹنڈنٹ کی خوابگاہ تھا۔ اس کا بستره وغیرہ بھی وہیں پڑا تھا۔ وارنٹ کی پُشت پر پھر میرے دستخط کرائے گئے۔ اور انسپکٹر نے ان اشیاء کے لئے جو اس نے میرے لئے سفر میں بہم پہنچائی تھیں۔ مجھ سے رسید لکھوالی۔

سپرنٹنڈنٹ نے موجودہ افسروں کو وسکی کا ایک ایک گلاس پیش کیا جو اُنھوں نے شکر گذاری سے قبول کیا۔ جب وہ اپنے میزبان کا جامِ صحت نوش کر کے روانہ ہو گئے۔ تو سپرنٹنڈنٹ مجھے بنگلے کی بالائی منزل پر ساتھ لے گیا۔ اور مجھے بتلایا۔ کہ وہاں عارضی طور پر رہائش کے لئے دو کمرے مہیا کئے گئے ہیں۔ کمرے نفیس۔ ہوادار۔ روشن اور ہر طرح رہائش کے قابل تھے۔ اُن کمروں میں سامان ذیل تھا:-

ایک میز - دو کرسیاں - ایک نواری پلنگ - دو جیل کے کمبل - دو چادریں اور چھ چھ انچ چوڑے تین برہمی دری کے ٹکڑے - جو لمبائی میں کمرے سے بڑے تھے - سپرنٹنڈنٹ کو دیکھتے ہی مجھے خیال ہوا کہ وہ ایک سادہ مزاج اور نیکدل انگریز ہے - کیونکہ اس کی عادات اور طریق رہائش بالکل سادہ بلا تصنع تھا - اس نے خوراک کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا اور میں نے جواب دیا - کہ کسی پنجابی رسوئیے کی تیار کردہ ہندوستانی قسم کی خوراک میرے پسند خاطر ہوگی - لیکن اسکا انتظام ہونے تک مجھے انگریزی قسم کا کھانا کھانے میں عذر نہیں - اس نے ایک مدراسی ملازم کو بلا کر کھانا تیار کرنے کے لئے حکم دیدیا - سپرنٹنڈنٹ میرے ساتھ نہایت مہربانی سے بات چیت کرتا تھا - اس نے مجھے یقین دلایا - کہ میرے آرام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائیگی - میں نے کہا میری سب سے مقدم ضرورت یہ ہے - کہ آپ چند قمیصیں موسم گرما کے لئے تیار کروادیں - اور ایک سوٹ گرمی میں پہننے کا بنوادیں - اس نے دوسرے دن کا وعدہ کیا - پھر میں نے اس سے درد جگر کی شکایت کی - اس نے میری آنکھیں اور زبان دیکھی اور دوائی دینے کو کہا - اس کے بعد وہ مجھ سے رخصت ہوا اور میں آرام کرنے کو لیٹ گیا - برہما پولیس کے آٹھ سپاہی - ایک انگریزی دان برہمی سب انسپکٹر اور ایک یورپین سارجنٹ میری نگہداشت کے لئے تعینات ہوئے تھے - رات کے وقت سیڑھیوں پر ڈبل پہرہ ہوتا تھا - سب انسپکٹر اور یورپین رات کے وقت مجھے کئی کئی بار دیکھنے کو آتے تھے - کہ میں کہیں فرار تو نہیں ہوگیا - کبھی کبھی گشت کرنیوالے افسر

بھی آجاتے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے وعدہ لے لیا کہ میں بھاگنے کی کوشش نہ کرونگا۔ پہلی رات سویرے سے بھی پہلے میں غسل خانے میں چلا گیا۔ میری عدم موجودگی میں یورپین سارجنٹ آیا۔ اور مجھے کمرے میں موجود نہ پاکر فوراً تلاش شروع کردی۔ اس کی گھبراہٹ دور کرنے کے لئے میں نے غسل خانے سے آواز دی۔ دوسرے دن میں ابھی بستر سے نہیں اُٹھا تھا۔ کہ سپرنٹنڈنٹ آیا۔ اور اس نے مجھے اطلاع دی۔ کہ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر صاحب آئے ہیں اور مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ کہ میرے کپڑے اچھے نہیں اور نہ ہی تبدیل کرنے کو میرے پاس کوئی جوڑا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ اس بات کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کمرے میں آگئے۔ کمشنر صاحب نے گڈ مارننگ کہہ کر میری مزاج پرسی کی۔ اور پوچھا کہ کوئی شکایت تو نہیں۔ وہ بیٹھے نہیں۔ کھڑے باتیں کرتے رہے۔ اور پانچ منٹ سے زیادہ نہ ٹھیرے۔ سپرنٹنڈنٹ نے مجھے ضروری اشیا کی ایک فہرست بنا دینے کو کہا۔ فہرست میں سے مندرجہ ذیل اشیاء فوراً مہیا کرنیکا حکم دیا گیا۔

سفید لٹھ کے قمیض ۴۔ تولئے ۲۔ سفید چادر ۲۔ سرہانے کے غلاف ۲ رومال ۴۔ جراب ۲ جوڑے۔ کنگھی و برش ۱۔ بنیان ۲۔ کاغذ۔ قلم۔ دوات اور سیاہی چوس۔

سپرنٹنڈنٹ نے ایک کتاب بھی مطالعہ کو دی۔ یہ مسٹر جسٹس میکارتھی کی تصنیف ایمی مے تسی ایلنس تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے مجھے برہمی زبان سیکھنے کا بھی

مشورہ دیا اور انگریزی بربھی زبان میں اپنی کتاب میرے حوالہ کی۔ اس نے مجھے مدراسی چھوکرا نوکر رکھ دیا۔ اور سپاہیوں کے آنکھ رو برو میدان میں مجھے چلنے پھرنے کی اجازت بھی دیدی۔ لیکن میں نے اس اجازت سے فایدہ نہ اُٹھایا۔ کیونکہ پہننے کو میرے پاس ایک ہی گرم کوٹ تھا۔ اُسے وہ پہنکر چلنا پھرنا مشکل تھا۔ فوراً ہی بعد میں میرے لئے دوسری جگہ کا بندوبست ہو گیا۔ یہ نیا مکان سپرنٹنڈنٹ کے مکان کے قریب محلات کے پایئن باغ کے متصل اور پہلے مکان سے شمال کی طرف واقع تھا۔ دو دِن میں سپرنٹنڈنٹ کے مکان میں رہا اور تیسرے دن نئے مکان میں آگیا۔ اس اثنا میں میں نے چند پنجابیوں کو سڑک پر سے میری طرف جھانکتے ہوئے دیکھا۔ بعض نے مجھے سلام بھی کیا۔ جسکا جواب دیکر میں نے انہیں اشارے سے کہا کہ وہ ٹھیریں نہیں بلکہ چلے جاویں ؛

جس نئے مکان میں مجھے اب رکھا گیا۔ یہ پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ والوں کا بنگلہ تھا۔ یہ محلات کی نہر سے بیرونی طرف شاہی باغات کے شمال میں واقعہ تھا۔ اس بنگلہ اور شاہی باغات کے درمیان سے ایک سڑک گذرتی تھی۔ اور یہ عوام الناس کی آمد و رفت کے لئے کھلی تھی۔ اس بنگلے کے قریب ہی میگزین کے برٹش محافظ کا چوبی مکان احاطہ محلات کے شمال مغربی کونے پر بنا تھا۔

یہ بنگلہ جدید ترین طرز کا لکڑی اور اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ دومنزلہ ہے۔ اور ہر ایک منزل کے بیچوں بیچ ایک دیوار اٹھا کر دو

گھروں کے رہنے کے قابل بنایا گیا ہے۔ شمالی طرف ملازمین کے رہنے کے مکانات بنے ہیں۔ اور ان مکانات اور بنگلہ کے درمیان دو باورچی خانے ہیں۔ احاطہ کے ارد گرد لکڑی کا جنگلہ ہے۔ اور شمال کی طرف دو دروازے بنے ہیں۔ مغربی جانب کی بالائی منزل میرے رہنے کے لئے مقرر ہوئی۔ اس میں دو کمرے برانڈے میں کھلتے تھے ایک غسل خانہ تھا۔ غسل خانہ چوبی سیڑھیوں سے ملا ہوا تھا۔ یہہ سیڑھیاں بنگلے کے احاطہ میں پہنچتی تھیں۔ سیڑھیوں کے پاس ہی یورپین سارجنٹ کی میز اور بستر ہ تھا۔ تاکہ میں اس کی لاعلمی میں سیڑھیوں سے اُتر چڑھ نہ سکوں۔ کمروں میں کوئی سامان آرائشی موجود نہ تھا۔ فرش پر چٹائی تک موجود نہ تھی۔ صرف تین ٹکڑے برہمی دری کے جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے۔ صرف چھ چھ انچ چوڑے تھے۔ فرش کے لئے موجود تھے۔ دروازوں اور کھڑکیوں پر چک یا پردہ کچھ نہیں تھا۔ باقی فرنیچر میں ایک کھانا کھانے کی میز۔ ایک مطالعہ کی میز۔ ایک بید کی آرام کرسی۔ دو دفتر کی کرسیاں۔ دو تپائیاں۔ کپڑا رکھنے کی ایک الماری۔ اور ایک اشیاء خوردنی کے رکھنے کا صندوق تھا۔ بستر پر تاہم مسہری لگی ہوئی تھی۔ دیواریں بالکل برہنہ تھیں۔ تپائی اور الماری میری درخواست پر مہیا کی گئی تھی۔ چونکہ اُس برامدہ کے سامنے جہاں کہ میں سویا کرتا تھا چار فٹ اونچی دیوار تھی جس سے ہوا کی آمد و رفت بہت درجہ تک رُک جاتی تھی اس لئے ایک دفعہ میں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میرے بستر ے کو ذرا اونچا کر دیا جاوے تاکہ ہوا زیادہ کھلے طور پر آ سکے۔ لیکن اس درخواست

کو بیہودہ سمجھا گیا اور منظور نہ کیا گیا - دو موم بتیاں روشنی کے لئے بہم پہنچائی گئیں اور بعد ازاں میری درخواست پر مطالعہ کے لئے ایک لیمپ بھی دیا گیا۔

ملازم و خدمتگار وغیرہ

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ ایک مدراسی چھوکرہ میرا کھانا پکانے اور عام خدمت کے لئے پچیس روپیہ ماہوار پر مقرر کیا گیا تھا - علاوہ ازیں ایک خاکروب اور ایک سقّہ ملازم رکھے گئے۔ یہ دونوں دن میں دو دفعہ اپنے متعلقہ فرائض انجام دینے کو آموجود ہوتے تھے۔ کپڑے دھونے کو ایک دھوبی بھی مقرر ہوا - اور ایک حجام کو ہر دوسرے دن حجامت بنانے کے لئے کہا گیا۔ خاکروب، سقہ اور دھوبی کو تنخواہ ملتی تھی - حجام کو پہلے ڈھائی ماہ میں نے اپنی گرہ سے تنخواہ دی - اور بعد ازاں اس کی تنخواہ گورنمنٹ سے ملتی رہی - پہلا مہینہ ختم ہونے پر حجام نے مجھ سے تنخواہ مانگی - میں نے اُسے کہا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل اس کو تنخواہ دینگے - کیونکہ اُنہوں نے ہی اسکو مقرر کیا ہے - اور کہا میں اسکے متعلق سپرنٹنڈنٹ صاحب سے دریافت کرونگا - ۹ جولائی کو صاحب سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے خود ہی پوچھا - کہ حجام کو تنخواہ کیوں نہیں دیگئی میں نے جواب دیا - کہ میرے خیال میں زیر ریگولیشن نمبر ۳ سنہ ۱۸۱۸ء یہ تنخواہ گورنمنٹ کو ادا کرنی چاہیئے - کیونکہ گورنمنٹ پابند ہے - کہ میری حیثیت کے مطابق میرے آرام و آسایش کا انتظام کرے - اس ہینگ مرد کے غصّہ کو مشتعل کرنے کے لئے اتنا کہنا ہی کافی تھا - اس نے کہا - میں کسی قانون سے واقف نہیں - اور جہاں تک تمہارا

تعلق ہے۔ میرا حکم ہی بمنزلہ قانون ہے"۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "داڑھی منڈوانا ضروری نہیں، یہ اسراف میں داخل ہے اور گورنمنٹ اس کا خرچ ادا نہیں کر سکتی"۔ ملکی رسم و رواج سے اپنی واقفیت جتلانے کی غرض سے پھر کہنے لگا۔ کہ اگر ایک مسلمان سر منڈانے پر اصرار کرے تو میں اس کی وجہ جانتا ہوں۔ مگر آپ ہندو ہو کر داڑھی منڈوانے پر کیوں اصرار کرتے ہیں؟ آپ داڑھی بڑھنے کیوں نہیں دیتے؟ کیا آپ گھر میں داڑھی نہیں رکھا کرتے تھے؟ کیا آپ نے کوئی حجام حجامت بنانے کو رکھا ہوا تھا"۔ یہ سوالات بلا انتظار جواب یکے بعد دیگرے پے در پے کئے گئے۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اگر یہ کہا کہ میرا حکم بمنزلہ قانون ہے تو میں نے بُرا نہیں منایا۔ مگر جب اُس نے یہ پوچھا۔ کہ کیا میں نے ہر دوسرے دن حجامت بنوانے کے لئے گھر بھی حجام ملازم رکھا ہوا تھا اور کیا یہ دوسرے دن سرکاری خرچ پر حجامت بنوانا تعیش میں داخل نہیں ہے؟ کہ جو میں قید کی حالت میں حاصل کیا چاہتا ہوں؟ تو مجھے رنج ہوا۔ مگر جب میں نے اسکو جواب دیئے تو وہ اور زیادہ بھڑک اُٹھا۔ اور کہنے لگا۔ اگر تنخواہ دینے میں حجت کروگے تو میں کل ہی حجام کا آنا بند کر دونگا۔ میں نے کہا۔ کہ میں بخوشی اسکو تنخواہ دیدونگا میں تو صرف آپ سے دریافت کرنا چاہتا تھا اور اس لئے ناراضگی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے خیال میں ایک بے بس قیدی پر غضبناک ہونے کے لئے یہی وجہ کافی تھی۔ کہ میں نے حجام کو تنخواہ نہیں دی اور اسی کے متعلق قانون جلاوطنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ

اس بات پر خاتمہ کلام کیا کہ اگر خواہش ہو تو گورنمنٹ ہند کے پاس میرے احکام کا اپیل کرلیں۔ ورنہ میرے احکام کی فوراً تعمیل ہونی چاہیئے۔ میں نے جواب دیا کہ میں اس قسم کی معمولی باتوں کے لئے گورنمنٹ ہند کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ آپ کے پاس جو میرا روپیہ جمع ہے۔ اس میں سے اس (حجام) کو تنخواہ دیدیں۔ آپ کو یہ بات بھی گوارا نہ ہوئی۔ اور حجام کو تنخواہ میرے ہی ہاتھ سے دلوا کر دم لیا۔ اس معاملہ کی نسبت ۱۲ اگست تک پھر کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ اس دن سپرنٹنڈنٹ نے مجھے ایک یادداشت اس روپیہ کی لکھ دینے کو کہا جو میں نے اپنے روپیہ میں سے خرچ کیا تھا۔ کیونکہ وہ اس میں سے کچھ یعنے حجام کی تنخواہ مجھے واپس دینا چاہتا تھا۔ یادداشت تو لکھ کر دیدی گئی مگر کچھ واپس نہ ملا۔ البتہ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے قبول کیا۔ کہ وہ آیندہ حجام کی تنخواہ خود ادا کیا کرینگے ۱۰ جون کو میں نے سپرنٹنڈنٹ کے پاس ایک چٹھی بھیجی کہ چونکہ شب گذشتہ میری طبیعت درست نہ تھی۔ اور کوئی آدمی خبر گیری کو موجود نہ تھا۔ اس لئے ایک اور نوکر رکھا جائے۔ جو میرے رہنے والے مکان پر سویا کرے اور ضرورت کے وقت پنکھا کھینچنے کا بھی کام دے۔ مجھے معلوم تھا۔ کہ جہاں تک ممکن ہو سکیگا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب بہت کم خرچ کرنا چاہتے ہیں اس لئے یہ بھی لکھ دیا کہ اس زاید ملازم کو میرے روپے سے تنخواہ دی جایا کرے۔ اس چٹھی کے جواب میں مجھے کہا گیا۔ کہ میری درخواست غیر معمولی قسم کی ہے۔ اور کہ مانڈلے میں کسی کے پاس پنکھا قلی نہیں ہوتا اور یہ کہ برہما میں ملازم شاذ و نادر دستیاب ہوتے ہیں۔ اس لئے

درخواست منظور نہیں ہوسکتی۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مہربانی کرکے یہ حکم دیدیا۔ کہ مدراسی لڑکا میرے رہنے والے مکان کے صحن میں ہی کھانا تیار کیا کریگا اور یہیں سو رہا کریگا۔ مدراسی لڑکے نے اس حکم کی تعمیل سے اسوقت انکار کر دیا۔ کیونکہ اس کے پاس کھانا پکانے کو کافی برتن موجود نہ تھے۔ چند روز بعد اس نے احاطہ میں کھانا پکانا شروع کیا مگر برتنوں کے خراب اور ناکافی ہونے اور گیلی لکڑیوں کی دُھوئیں سے ہر وقت شکایت تھی۔ تھوڑے دن بعد وہ بدستور سابق سپرنٹنڈنٹ کے باورچیخانے میں واپس چلا گیا۔ میرے خیال میں اسکو وہاں کھانا تیار کرنے میں سہولیت تھی۔ وہ خود باورچی کے فن سے یوں ہی سا واقف تھا۔ سپرنٹنڈنٹ کے باورچیخانے میں اسکو صاحب کے باورچی سے کھانا پکانے میں مدد مل رہتی تھی۔ جو اس مدد کے عوض اس سے میرے کھانے میں سے حصہ حاصل کر لیا کرتا تھا۔ کھانا پکانے کا یہ مشترکہ انتظام سپرنٹنڈنٹ کے باورچی کی بھی پسند خاطر تھا۔ اور چونکہ مدراسی چھوکرہ ابھی لڑکا اور دہ تھا۔ اور اس کو کسی طرح بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ بھی وہاں ہی کھانا پکانا پسند کرتا تھا۔

رات کو پہلے وقت پنکھا قلی کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ مگر میں نے پنکھا قلی کے معاملہ کو پھر کبھی نہ چھیڑا۔ اگرچہ ستمبر اور اکتوبر کا کچھ حصہ کئی راتیں بےچینی میں کاٹنی پڑتی تھیں اور بعض اوقات ہاتھ میں پنکھا لئے رات بسر ہوتی تھی۔

خوراک وغیرہ - جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ مدراسی باورچی انگریزی

قسم کا کھانا تیار کرتا تھا۔ میں چاہتا تھا۔ کہ کوئی پنجابی رسوئیا پنجابی کھانا میرے لئے تیار کیا کرے۔ مگر میری درخواست منظور نہیں ہوتی تھی۔ اور جواب یہ دیا جاتا تھا۔ کہ مانڈلے میں کوئی پنجابی رسوئیا ملنا مشکل ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ مقامی حکام کو کچھ عرصہ تک میرے لئے پنجابی رسوئیا رکھنا خلاف مصلحت معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اپنی عرضداشت مورخہ ۲۹ جون میں جو وائسرائے کو بھیجی گئی یہ لکھا۔ کہ مجھے کوئی اپنا خدمتگار پنجاب سے منگوانے کی اجازت دی جائے۔ مگر ۱۰ اگست کو جواب آیا۔ کہ یہ درخواست منظور نہیں ہو سکتی۔

۹ اگست کو ڈپٹی کمشنر مجھے ملنے آئے اور دریافت کیا۔ کہ انتظام خورد و نوش کے متعلق کوئی شکایت تو نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ میں اس انتظام کی نسبت کسی پنجابی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے کو ترجیح دیتا ہوں۔ کیونکہ میں اُسی قسم کے کھانے کا عادی ہو رہا ہوں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب ایک پنجابی سویلین کے صاحبزادے تھے۔ اور غالباً کچھ مدت تک آپ کو پنجاب میں رہنے کا بھی تجربہ تھا۔ مگر آپ یہ سُن کر حیران ہوئے کہ مدراسی باورچی پنجابی قسم کا کھانا نہیں بنا سکتا۔ میں نے مدراسی اور پنجابی کھانے کا فرق آپ پر واضح کر دیا ؛

۲۳ اگست کو سپرنٹنڈنٹ صاحب شام سے کچھ دیر بعد ۸ اور ۹ بجے کے درمیان میرے پاس آئے اور خوراک کے متعلق دریافت کرنے لگے۔ میں نے وہی کہا جو ڈپٹی کمشنر کو کہا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ جب تک مجھے یہ یقین نہ ہو کہ جس قسم کی خوراک کا میں عادی ہوں۔ اس قسم کی خوراک

کا انتظام خاطر خواہ کیا گیا ہے۔ میں موجودہ انتظام میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتا۔ سپرنٹنڈنٹ نے اُسی وقت اور وہیں کمشنر صاحب کو ایک چٹھی تحریر کی۔ اور جو مکالمہ اس کے اور میرے درمیان ہوا تھا۔ وہ اس چٹھی میں درج کر دیا۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ۲۸ اکتوبر کو رنگون سے ایک بوڑھا سکھ باورچی میرے لئے بھیجا گیا۔ میں نے اسکو دیکھتے ہی بھانپ لیا کہ وہ باورچی نہیں۔ تاہم ایک پنجابی کے ساتھ اگرچہ مجھے شُبہ تھا کہ وہ کوئی خفیہ خدمت انجام دینے کے لئے انتخاب نہ کیا گیا ہو اپنی مادری زبان میں کچھ باتیں کرنے کا موقعہ ملنے سے خوشی ہوئی۔ اس لئے میں نے اسکو پاس رکھ لیا۔ اس نے دو وقت کھانا پکایا۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تبدیلی پہلے انتظام سے بہتر نہیں ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ یہ بوڑھا پنجابی سکھ ریاست پٹیالہ کا باشندہ ہے۔ ساری عمر کاشتکاری میں گذری ایک سال کا عرصہ ہوا برہما میں اپنے بھائی کو ملنے آیا تھا جو فوج میں ملازم ہے۔ اور کچھ روپیہ پیدا کرنے کے لئے برہما میں ہی ٹھیر گیا۔ اس نے بھی معلوم کر لیا۔ کہ اس کے پکائے ہوئے کھانے سے میری تسلی نہیں ہوئی۔ کہنے لگا۔ کہ "میں آپ کے درشن کرنے کو آگیا ہوں"۔ ورنہ اس نوکری سے روپیہ کمانے کا خیال نہ تھا۔ اور میں صبح ہی رنگون واپس جانے پر تیار ہوں۔ میں نے سپرنٹنڈنٹ کو چٹھی لکھی۔ اور اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ دوسرے دن صبح ہی سپرنٹنڈنٹ حسب معمول گشت پر آیا۔ اور بوڑھے سکھ نے اس سے رنگون واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ اس طرح خوراک کے متعلق

پہلا انتظام پھر قایم ہو گیا - اور رہائی تک برابر جاری رہا - خوراک نہ تو
بُری تھی اور نہ ہی کافی - دو دفعہ دن میں چار اور دو دو ملتا تھا - کھانے
کو خوراک خاصی تھی - کوئی گراں قیمت یا زیادہ نفیس کھانا نہیں ملتا
تھا - کیونکہ بقول سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ کے خرچ پر اسراف کی اجازت نہیں
ہو سکتی تھی - پہلے پہلے تو وہ برف پھل اور سوڈا واٹر وغیرہ کو بھی سامان
تعیش اور اسراف بیجا میں شمار کیا کرتا تھا - لیکن چند دن بعد اس نے اپنا
آہنی قاعدہ کسی قدر نرم کر دیا - اور پھل - سوڈا واٹر اور لیمونیڈ وغیرہ نہ ملنے
کی قید اٹھا دی - اگرچہ برف کے متعلق وہ آخری دم تک اپنے فیصلہ پر
اڑا رہا - رہائی کے نزدیک دو تین ہفتے تک ولایتی پانی (سوڈا واٹر
لیمونیڈ - جنجر ایڈ وغیرہ) کی دو بوتلیں روزانہ ملتی رہیں ورنہ سوڈا واٹر یا
لیمونیڈ کی ایک ہی بوتل دن بھر میں دی جاتی تھی - پھلوں کا انتظام
بھی دیگر اشیاء کی طرح سپرنٹنڈنٹ صاحب کے باورچی کے سپرد تھا
حقیقی باعث خوراک کا انتظام ناقابل اطمینان ہونے کا یہ تھا - کہ
انتظام اس دنی الطبع انسان کے ہاتھ تھا - سپرنٹنڈنٹ کو اس پر بہت
اعتبار تھا اور اس طرح اسیرانِ سلطانی اس شخص کے رحم پر تھے -
وہی خوراک کے متعلق حکم دیتا - وہی نوکروں پر حکومت کرتا - وہی حساب
رکھتا اور وہی ان کے لئے ضروری اشیا خرید کرتا - پہلے ہی ہفتہ مجھے معلوم
ہو گیا کہ وہ کوئی دیانت دار شخص نہیں ہے - میرے روپیہ میں سے
اس نے جو چیزیں میرے لئے خریدکیں - وہ زبان حال سے اس کی
بددیانتداری کی داستان سُنا رہی تھیں - تھوڑے دن بعد معلوم ہوا کہ وہ

ایک روپیہ یومیہ پر ایک یورپین سارجنٹ کو چائے اور کھانا پہنچاتا ہے۔ تھوڑے دن بعد سارجنٹوں سے اس کی تکرار ہو گئی اور ایک دن ایک سارجنٹ نے اسکو یہ کہہ کر باہر نکلوا دیا۔ کہ بارک کے احاطہ میں آنے کا حکم نہیں ہے۔

میں ذکر کر رہا تھا۔ کہ کس طرح سپرنٹنڈنٹ کے خانساماں کے ہاتھ میں اسیران سلطانی کی قسمتیں سپرد تھیں۔ اگر پھل یا سبزی ترکاری تبدیل کرنے کو کہا جاتا۔ تو اس بنا پر انکار ہوتا۔ کہ وہ پھل یا ترکاری مہنگی ہے۔ اور سپرنٹنڈنٹ صاحب کی خاص اجازت کے بغیر خریدی نہیں جا سکتی۔ سوڈا واٹر وغیرہ پہنچانے میں بھی وہ عمداً تاخیر کیا کرتا۔ باورچی کی کمینہ حرکتیں میرے لئے تو زیادہ تکلیف دہ نہ تھیں۔ کیونکہ میں جس چیز کی جب کبھی ضرورت ہوتی تھی۔ اپنے روپیہ سے منگوا لیتا تھا اصلی امر رنجدہ اس شخص کی ماتحتی تھی۔ علاوہ بریں مدراسی ملازم بھی اس کے اشارے پر کبھی کبھی گستاخانہ لہجہ اختیار کر لیتا۔ سب سے زیادہ رنجدہ بات یہ تھی۔ کہ جب کبھی سپرنٹنڈنٹ سے کچھ کہا جاتا تو وہ بات کو ملازموں پر چھوڑ دیتے۔ جب کوئی شے مانگی جاتی تو جواب ملتا کہ "اچھا آپ اپنے ملازم سے منگوا لیں"۔ بعض اوقات کہتا "اپنے ملازموں سے کہیں"۔ ملازم کو کہا جاتا تو وہ جواب دیتا۔ کہ خانساماں کی اجازت نہیں یہ شکایت انتہائے کمال کو پہنچ چکی تھی کہ ۲۲ ستمبر کو مدراسی باورچی حسب معمول سپرنٹنڈنٹ کے باورچی خانہ سے پکا کر میرے لئے کھانا لایا۔ اس میں سبزی ترکاری بالکل نہ تھی۔ میں نے تھوڑا کھانا کھایا اور

باقی یہ کہہ کر واپس کر دیا۔ کہ سبزی نہ ہونے سے میں کھا نہیں سکتا۔
مدراسی نے باورچیخانے میں جاکر خانساماں سے ذکر کیا۔ اور خانساماں
نے سپرنٹنڈنٹ کے پاس یہ بات جڑ دی۔ کہ میں ایک خاص ترکاری
مانگتا ہوں جو بازار میں نہیں ملتی۔ اور وہ ترکاری نہ ہونے کی وجہ
سے میں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ فوراً جامہ
سے باہر ہو گیا۔ وہ صرف قمیض پہنے بیٹھا تھا۔ اور قمیض کے بھی
بازوں کے بٹن کھلے تھے۔ اسی حالت میں اٹھ کر میری طرف
چلا آیا۔ میں صحن میں بیٹھا تھا۔ اور محافظ یورپین سارجنٹ اپنے
بستر پر لیٹا تھا۔ کہ اچانک جیل کا خداوند آ نازل ہوا۔ اور مجھ سے
پوچھا کہ جو خوراک آپ کے لئے تیار کی گئی تھی۔ اس کو واپس کیوں کر دیا
گیا۔ میں نے کہا کہ کھانے میں جو مجھے موافق تھا۔ وہ میں نے کھا لیا
اور جو میرے موافق نہ تھا۔ وہ میں نے واپس کر دیا۔ مجھے خاص قسم
کا کھانا کھانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ میں اپنے کھانے کے ساتھ
سبزی ترکاری کی زیادہ مقدار پسند کرتا ہوں۔ سپرنٹنڈنٹ کہنے لگا۔ کہ
سبزی ترکاری کے لحاظ سے مانڈلے بہت خراب جگہ ہے۔ یہاں ترکاریاں
بڑی مہنگی ملتی ہیں اور آٹھ یا بارہ آنہ فی سیر قیمت کی کوئی ترکاری منگوا کر
وہ نہیں دے سکتا۔ میں نے جواب میں کہا کہ جو کچھ میری خوراک پر
خرچ ہوتا ہے میں اس سے زیادہ خرچ کروانا نہیں چاہتا۔ مگر
میں اسی قیمت کی بلکہ اپنے خرچ پر خاص خوراک چاہتا ہوں میں
نے یہ بھی کہا۔ کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ کہ میں نے بالکل کھانا نہیں

کھایا۔ سبزی ترکاری بازار میں نہ ملنے کے متعلق میں نے کہا۔ کہ یہ بھی سراسر جھوٹ ہے۔ کیونکہ یہ یورپین سارجنٹ کئی قسم کی ترکاریاں خودخرید کر لایا ہے۔ اس پر سپرنٹنڈنٹ سارجنٹ کے گلے کا ہار ہو گیا۔ اس سے کہنے لگا۔ کہ اسیرانِ سلطانی کے ساتھ ان باتوں کے متعلق گفتگو کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔ اور نہ ہی میرے بندوبست میں غلطیاں پکڑنا تمہارا کام ہے۔ بیچارے سارجنٹ نے قدرے عذرخواہی کر کے کہا۔ چونکہ اس کے لئے جو کھانا آیا تھا اُس میں سبزی موجود تھی۔ اس موقعہ پر سپرنٹنڈنٹ نے نرم لہجہ اختیار کر لیا اور کہنے لگا۔ کہ جو رقم گورنمنٹ نے منظور کر رکھی ہے۔ اس میں اچھی سے اچھی میرے حسب پسند دی جا سکتی ہے۔ اور حقیقت میں میرے خرچ خوراک سے آپ کا خرچ زیادہ ہوتا ہے اور غالباً ملازم یا ملازمین اس میں خیانت کرتے ہیں میں نے کہا کہ آپ کے خرچ سے میرا خرچ زیادہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ میں بہت تھوڑا کھاتا ہوں۔ اور علاوہ ازیں پھل۔ بسکٹ مربہ وغیرہ پر میں اپنی گرہ سے خرچ کرتا ہوں۔ اب سپرنٹنڈنٹ نے اور پہلو بدلا۔ کہنے لگے۔ مجھے ان باتوں کی طرف دھیان کرنے کو وقت نہیں۔ میں اپنا ہی انتظام درست نہیں رکھ سکتا۔ تو دوسروں کا کس طرح کر سکتا ہوں۔ جو بل پیش ہوتے ہیں۔ وہ دیکھے بھالے بغیر پاس کر دیتا ہوں۔ اگر براہ راست میرے پاس شکایت ہو۔ اور ملازموں سے شکایت نہ کی جائے تو میں خوش ہونگا۔ اور رفع شکایت کا خیال رکھونگا۔ میں نے جواب دیا۔ کہ میں کوئی شکایت نہیں کرنا چاہتا۔

اگر ملازم میری پسند کی ترکاری نہ لانا چاہیں تو میں وہ اپنے خرچ سے منگوالیا کرونگا۔ اسپرسپرنٹنڈنٹ نے بتلایا۔ کہ کسی پنجابی رسوئیے کی تلاش ہو رہی ہے۔ اور اس کے ملنے پر ساری شکایت دور ہو جائیگی ۔ اس طرح اس ناگوار مکالمہ کا خاتمہ ہُوا۔ اس کے بعد چند روز تک میری مرضی کے مطابق سبزی ترکاری ملتی رہی مگر پھر "ہماں آش درکاسہ" کا معاملہ تھا۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ جو میں چاہتا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ کا خانساماں اس کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ چیزوں کی خرید میں بہت کچھ گول مال کیا جاتا تھا۔ یہ خیال کر کے کہ بار بار شکائتیں کرنا سخت ناگوار ہے۔ میں نے ۱۲ اکتوبر کو سپرنٹنڈنٹ کے نام چٹھی لکھی۔ کہ خوراک کے متعلق یہ ضروری اور مناسب ہے کہ وہ میرے حکم سے تیار کی جاوے۔ میں نے اسی چٹھی میں یہ بھی لکھا کہ میں خوراک وغیرہ کا حساب بھی رکھ سکتا ہوں۔ تاکہ جو چیزیں میرے لئے خرید نہیں کی جاتیں وہ حساب میں درج نہ ہوا کریں اور خرچ اُس سے زیادہ نہ ہو جو اسوقت آپ کے انتظام میں ہوتا ہے۔ میں نے یہ بھی لکھا کہ کھانا تیار کرنے میں گھی خراب استعمال کیا جاتا ہے اور چاول بھی اچھے نہیں ہوتے۔ ضروری ہے کہ کھانا احاطہ کے اندر طیار ہوا کرے۔ سپرنٹنڈنٹ نے حسب معمول اس چٹھی کا زبانی جواب دیا۔ کہ باورچی کو احاطہ میں کھانا پکانے کا حکم دیدیا گیا ہے۔ اور دوسری باتوں کا جواب بعد میں غور کر کے دیا جائیگا۔ مگر اس کے متعلق بعد میں کبھی کوئی کارروائی نہ ہوئی۔ سپرنٹنڈنٹ کے خانساماں کی حکومت بدستور جاری رہی۔ اسلئے مجھے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ اپنے خرچ سے من بھاتی

اشیاء منگواؤں اور اس بات کی مطلق پرواہ نہ کروں کہ گورنمنٹ میری
خوراک کے لئے کیا کچھ بہم پہنچاتی ہے ۔ مجھے یقین نہیں کہ سپرنٹنڈنٹ مجھے
تنگ کرنا چاہتا تھا ۔ یا خراب کھانا اس کی مرضی سے دیا جاتا تھا ۔ بلکہ
کئی بار مہربانی کے عالم میں اور خصوصاً مجھے عدم صحت کی کوئی شکایت
ہونے پر وہ مجھ سے کہا کرتا کہ جس چیز کو جی چاہتا ہو ۔ منگوالیں لیکن جب
میں اپنے ملازم کو کچھ کہتا اور وہ صاحب کے خانساماں کو پیغام پہنچا دیتا ۔
تو کیا مجال کہ کسی خواہش یا ضرورت کا کوئی تسلی بخش جواب مل سکے ۔
بدقسمتی سے سپرنٹنڈنٹ نے ایک ایسے معزز ہندوستانی کو جو اپنے
ملک اور سوسائٹی میں معزز حیثیت رکھتا تھا ۔ ایک کمینہ خصلت آدمی
کے تابع فرمان رکھنے کی برائی پر کبھی غور نہ کیا اور یہ نہ سوچا کہ یہ سب
سے بڑی تکلیف ہے جو کسی باحمیّت شخص کو دی جاسکتی ہے ! اور اس ذلّت
کے مقابلہ میں اور ساری تکلیفیں ہیچ ہیں ؎

صحّت

یہ ذکر ہو چکا ہے ۔ کہ لاہور میں گرفتاری کے دن
میں جگر میں کچھ تکلیف محسوس کرتا تھا ۔ سفر سے کچھ
تبدیلی نہ ہوئی ۔ جس دن میں مانڈلے پہنچا ۔ یہ تکلیف
اور زیادہ بڑھ گئی تھی ۔ سپرنٹنڈنٹ نے مجھے جلاب دیدیا ۔ اور دوسرے
دن جب کمشنر اور ڈپٹی کمشنر مجھے ملنے آئے میں ناسازی طبیعت کی وجہ
سے ابھی بستر پر ہی تھا ۔ دو دن تک سپرنٹنڈنٹ والے مکان
میں ہی رہنا پڑا ۔ سپرنٹنڈنٹ نے اپنے مکان کے احاطہ میں پہریدار
کے زیر نظر مجھے چلنے پھرنے کی اجازت دیدی ۔ چند روز بعد حکم آیا ۔

کہ قلعہ کے اندر ایک یورپین سارجنٹ اور پولیس گارد کی زیر نگرانی سیر کرنے کی اجازت ہے۔ یہ حکم پہنچنے کے بعد کئی دن میں سیر کو نہ جا سکا کیونکہ میرے پاس موسم گرما میں پہننے کو کوئی کوٹ نہ تھا۔ اور موسم سرما کا کوٹ اس گرمی میں برداشت نہیں ہو سکتا تھا۔ ہفتہ عشرہ میں کپڑے تیار ہو کر آ گئے۔ چونکہ ڈائری ۸ جون سے شروع ہوتی ہے اس لئے ٹھیک نہیں کہا جا سکتا۔ کب آئے۔ جلدی ہی دن میں دو دفعہ مجھے سیر کو لیجانے کی ہدایت موصول ہوئی۔ شروع شروع میں سیر کے لئے کوئی حدود مقرر نہ تھے۔ قلعہ کے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ سارجنٹ کو حکم تھا۔ کہ دیسی سپاہیوں کی بارکوں کی طرف نہ لیجائے بعد میں وقتاً فوقتاً رکاوٹیں کی گئیں۔ ان کا ذکر ایک علیحدہ باب میں کیا گیا ہے۔ صحت کے متعلق ڈائری سے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ پہلا اندراج ۲۰ جون کا ہے۔

"آج صبح اُٹھنے پر طبیعت بہت خراب تھی۔ ایک گھنٹہ چلنے پھرنے سے بھی کچھ فرق نہ ہوا۔ سارا دن یہی حالت رہی۔ بہت تھوڑی خوراک کھائی"

۲۱ جون۔ صبح پانچ چھ دفعہ اجابت ہوئی۔ خوراک بہت کم

۲۲ جون۔ صحت تا حال بحال نہیں ہوئی۔ معدہ بھاری معلوم ہوتا ہے

۲۳ جون۔ بشرح صدر۔ تین چار دفعہ اجابت ہوئی۔ ہوا بہت مرطوب ہے اور تیز چلتی ہے۔ بعض وقت خاصی سردی ہو جاتی ہے آسمان پر بادل چھایا ہے۔

۲۴ جون کو صحت کے متعلق کوئی اندراج نہیں۔ صرف سپرنٹنڈنٹ کی گفتگو کے متعلق درج ہے۔ کہ اس نے میرے ذہن نشین کرنا چاہا۔ کہ نظربندی کا خرابی صحت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور روزانہ دو گھنٹے سیر صحت قایم رکھنے کے لئے کافی ہوگی۔ اور کہ جو لوگ کلرک ہیں ان کو بھی اس سے زیادہ موقعہ نہیں ملتا۔

۲۷۔ ۲۸ اور ۲۹ جون کا اندراج ہے۔ کہ بیخوابی اور سر درد کی شکایت بڑھ رہی ہے۔

۳۰ جون کو ڈپٹی کمشنر کے آنے کا ذکر ہے جو جاتے ہوئے سارجنٹ کو ہدایت کر گئے کہ مجھے لمبی سیر کرائی جایا کرے۔ تاکہ بدہضمی کا علاج ہو رہے۔

یکم جولائی۔ "نیند خوب آئی۔ اگرچہ کمزوری رہی۔ کچھ لکھ پڑھ نہیں سکا"

۲ جولائی۔ طبیعت اچھی ہے۔ نیند خوب آئی

۴ جولائی۔ رات بیچینی سے کاٹی۔ نیند کافی نہ تھی

۵ " ۔ صبح اُٹھا تو طبیعت خراب نہ تھی۔ مگر تھوڑی دیر بعد بگڑنا شروع ہوئی۔ دن میں چار دفعہ اجابت ہوئی۔

۶ جولائی۔ صبح اُٹھا تو طبیعت درست تھی۔ مگر صبح کی سیر سے واپس آنے پر معدے میں درد محسوس ہو رہا تھا

۸ جولائی۔ قبض ہے

۱۲ جولائی۔ کئی دنوں کے بعد آج طبیعت درست ہے

۱۴۔ ۱۵ جولائی۔ صحت اچھی ہے۔ حالت بہتر معلوم ہوتی ہے۔

۱۷ جولائی - پھر بدہضمی اور معدے میں درد ہے

۱۸ " - کو حالت کسی قدر بہتر ہونا درج ہے - اسی دن سپرنٹنڈنٹ کو لکھا گیا کہ وہ ٹین کے مکھن کی بجائے تازہ مکھن کا بندوبست کرے اور تیز پھل اور سبزی زیادہ مقدار میں دلوائے - شام کو طبیعت زیادہ خراب ہوگئی - درج ہے - کہ "طبیعت بہت خراب ہے پیشاب کا رنگ سُرخ ہے - کھانا بالکل نہیں کھایا - سخت بیماری کا خوف ہے - ضروری احتیاطیں عمل میں لا رہا ہوں"۔

۱۹ جولائی - حالت کسی قدر بہتر ہے - اگرچہ سر بھاری ہے اور معدے میں گرانی معلوم ہوتی ہے - رات بیخوابی اور بےچینی سے گذری

۲۰ جولائی - بعد دوپہر طبیعت بگڑنے لگی - شام کو حالت بہت خراب ہوگئی - انتہائی درجہ کی بےچینی اور بیقراری ہے - کھانا نہیں کھایا - رات بیخوابی رہی - تنہائی مصیبت کو زیادہ کرتی ہے -

۲۱ جولائی - بہتر

۲۲ جولائی - بعد دوپہر سخت بخار ہوگیا - سخت بےچینی تھی - رات نیند نہیں آئی

۲۳ " - بخار نہیں - خوراک صرف دودھ

۲۴ " بشرح صدر

۲۵ " نہ بھوک ہے نہ نیند - ڈاکٹر نے خواب آور دوائی دی - مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا - طبیعت سخت کمزور اور خراب ہے

۲۶ جولائی - بشرح صدر

۲۷ " بجواب استفسار متعلق صحت مسٹر یدن جیت کو لکھا گیا - کہ جگر

اور معدے میں خرابی سے بیمار ہوں۔ بیخوابی کی شکایت ہے سپرنٹنڈنٹ اسپر
سخت ناراض ہؤا۔ اور چھٹی روک لی۔ کہنے لگا۔ کہ بیماری حیلہ سازی ہے
اور حالت کو مبالغہ آمیزی سے اسلئے ظاہر کیا ہے۔ کہ بیرونی دنیا میں یہ
خیال پیدا ہو۔ کہ قید سے صحّت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ
یہ بالکل غلط ہے۔ آپ نے میرے جگر وغیرہ کا کبھی امتحان نہیں کیا اور
معدے کی خرابی کے باعث گھر بھی عموماً تکلیف رہا کرتی تھی۔ تب اس نے
میرے جگر اور تلی کا امتحان کیا۔ اور کہا کہ جگر میں تو کوئی خرابی نہیں۔
اور تلی کی نسبت وہ صحّت سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔ مگر تشویش کی کوئی وجہ نہیں

۲۸ جولائی۔ نہ بھوک ہے نہ نیند۔ خواب آور دوائی کے سہارے صرف
دو گھنٹے تک سو سکا۔

۲۹ جولائی۔ کسٹرائل ایک معتاد۔ تین دفعہ اجابت۔ حالت قدرے بہتر ہے
اس کے بعد ۶ر اگست تک صحت کے متعلق ڈایری میں کوئی اندراج
نہیں۔ ۶ر اگست کو پھر بیخوابی کا دورہ شروع ہو گیا۔ ۷ر اگست کو اسہال
لگ گئے اور بیخوابی رہی۔ ۹ر اگست کو سپرنٹنڈنٹ نے خواب آور دوائی دی
۱۰ر کو خواب آور دوائی سے میں سو گیا۔ لیکن ۱۱ اور ۱۲ کی رات پھر بیخوابی
نے آ لیا۔ ۱۶ر اگست تک بیخوابی کی شکایت کے اندراج ملتے ہیں۔
۱۷ر اگست تک طبیعت درست رہی اور ۲۰ر کو پھر بیخوابی کا حملہ ہؤا۔ بعد
ازاں ۷ر ستمبر تک صحت کے متعلق کوئی اندراج نہیں۔ ۱۷ر ستمبر کو کسی قدر
شکایت رہی۔ اور ۲۳ر کی رات بیخوابی میں کاٹی۔ اور یہ بیخوابی کا عمل
متواتر کئی راتوں تک برابر جاری رہا۔ ساتھ ہی سر درد شروع ہو گیا

بیخوابی اور پیشانی کا درد رہائی تک برابر رہے۔

بیخوابی اور خرابی معدہ کی شکایتیں کہ جن سے مانڈلے میں تکلیف ہوئی پرانی تھیں۔ بیخوابی سے بظاہر حال کوئی تغیر نمایاں نہیں ہوتا۔ میں متواتر کئی راتوں تک بیخوابی سے بےچین رہتا ہوں۔ مگر میری ظاہرا شباہت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

قید کی حالت۔ تنہائی کا عالم۔ ناکافی ورزش۔ ناواجب سختی اور ذلت کا رنج۔ ہمخیال دوستوں کی عدم موجودگی اور دیگر اسی قسم کے بواعث کا لازمی نتیجہ بھی ہونا لازم تھا۔ کہ پرانی بیماریاں زور پکڑ جاتیں۔ ابتدائی تین مہینے ان تکالیف کے ہاتھوں مشکل سے کاٹے۔ مگر پھر قسمت پر شاکر اور موجودہ حالات سے مانوس ہوجانے کے باعث حالت میں بہتری شروع ہوگئی۔

بیخوابی کا سبب ایک اور بھی تھا۔ وہ یہ کہ گھر پر گرمی کے موسم میں میں عموماً کھلی ہوا میں سونے کا عادی تھا۔ مانڈلے میں مجھے مجبوراً چھت کے نیچے سونا پڑتا تھا اور پنکھے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ کہیں پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ کہ بعض اوقات تمام رات پنکھا ہاتھ میں لئے کاٹنی پڑتی تھی کبھی آنکھ لگ جاتی تو مارے گرمی کے جلدی ہی جاگ پڑتا۔ پنکھا ہاتھ سے گر جاتا۔ پھر آخر پکڑ کر جھلنے لگ جاتا۔

جو سرکاری عہدیدار مجھے ملنے آتے وہ لوگ تو میری صحت کا بڑا فکر ظاہر کرتے مگر ترقی صحت کے متعلق وہ کچھ بھی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل اور ڈپٹی کمشنر لمبی سیر پر زور دیتے۔ مگر لمبی سیر کرنے میں جو مشکلات تھیں

ان کا خیال نہ کرتے ۔ یورپین سارجنٹ دن میں دو دفعہ سیر کو جانے پر رضامند نہیں تھے ۔ علاوہ بریں وہ لمبی سیر کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ انہیں وردی پہنکر بھرے ہوئے پستول ۔ تلوار اور چھبیس گولیاں ساتھ لیکر جانیکا حکم تھا ۔ پولیس چوکی نمبر ۶ میرے بنگلے سے دو میل کے فاصلہ پر کہی جاتی تھی ۔ موسم گرما کی دھوپ میں انہیں کوٹھی سے بنگلے تک آنا پڑتا تھا ۔ بہت سویرے صبح کے وقت اُٹھنا بھی انہیں منظور نہ تھا ۔ کیونکہ رات کے پہلے پہر اور آدھی رات کو انہیں افسروں کے گشت آنے اور پٹرول کی وجہ سے جاگنا پڑتا تھا ۔

سردار اجیت سنگھ کے مانڈلے پہنچنے کے بعد صرف دو سڑکوں پہ سیر کرنے کی اجازت تھی ۔ دونوں سڑکیں صرف سوا میل لمبی تھیں ۔ دونوں سڑکوں میں ایک سڑک پر جو نسبتاً لمبی تھی دھوپ سے بچاؤ کے لئے سایہ دار درخت موجود نہ تھے ۔ جب ایک دفعہ ڈپٹی کمشنر کے دریافت کرنے پر اسکا ذکر کیا گیا ۔ تو ڈپٹی کمشنر نے اسکا وہی علاج بتلایا کہ میرے لئے رنگدار شیشوں کی عینک لے دی جاوے ۔ الّا جب سپرنٹنڈنٹ کے سامنے یہ تجویز پیش ہوئی تو اس نے یہ تجویز پسند نہ کی ۔ لیکن اقرار کیا ۔ کہ وہ بنگلے کے سامنے شاہی باغ میں سیر کرنے کے لئے سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کہیں گے ۔ میرے لئے یہ مزید تکلیف کا موجب تھا ۔ کہ مجھ پر دو عملی کی حکومت تھی ۔ بطور قیدی میں سپرنٹنڈنٹ جیل کی نگرانی میں تھا ۔ لیکن میری نگرانی کے لئے سپاہی بھیجنا سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سپرد تھا ۔ اس کے خیال میں وہ میری نگرانی اور حراست کے لئے ذمہ دار تھا ۔ اس لئے اس کو

کسی ایسی سڑک پر میرا سیر کرنا منظور نہ تھا۔ کہ جو اس نے منظور نہ کی ہو۔
بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل نے میرے لئے لمبی سیر کے لئے
زیادہ دُور تک جانے کا حکم دیا۔ اور متعینہ پولیس افسر نے اس حکم کی
کوئی پرواہ نہ کی۔ شام کے وقت اندھیرا ہونے سے پیشتر پولیس میری
واپسی پر اصرار کرتی تھی۔ حالانکہ مانڈلے میں سورج کی گرمی ایسی تیز پڑتی
ہے۔ کہ سورج غروب ہونے سے پہلے سیر کو نکلنا مشکل ہے۔ اس
لئے صبح یا شام کو ہی لمبی سیر کرنا ممکن تھا۔

سپرنٹنڈنٹ جیل نے مجھے وقت کاٹنے کے لئے مچھلیاں پکڑنے کی
اجازت دی۔ شاہی محل کی نہر میں مچھلیاں کثرت سے تھیں میں نے
عمر بھر کبھی یہ کام نہیں کیا تھا۔ اور مانڈلے میں بھی ایسا کوئی ارادہ نہ
تھا۔ لیکن چونکہ اس سے زیادہ تر باہر وقت کاٹنے کا موقعہ ملنے کا
احتمال تھا۔ اس لئے اس تجویز کو منظور کیا گیا۔ آخر میرے خرچ پر
ایک کنڈی مچھلیاں پکڑنے کے لئے آگئی۔ کنسٹیبل عموماً یہ کانٹا کھینچا کرتے
اور میں بیٹھا دیکھا کرتا۔ مگر اس سے نہ تو مجھے کوئی خوشی ہوتی اور
نہ ہی وقت آسانی سے کٹنے میں کوئی مدد ملتی۔ نہ کوئی یورپین سارجنٹ
وردی پہنے اور ہتھیار لئے بغیر کہ جن کے بغیر وہ میرے ساتھ ایک قدم
نہیں اُٹھا سکتا تھا گھنٹوں نہر کے کنارے کھڑے رہنا پسند کرتا۔
سپرنٹنڈنٹ گاہے گاہے مجھ سے شکار ماہی کے متعلق دریافت کرتا
اور جواب یہ اسکو عموماً مایوسی ہوتی۔ کہ کوئی مچھلی نہیں پکڑی۔ اس کے
متعلق ڈپٹی کمشنر نے بھی ایک بار دریافت کیا۔ کانٹا عموماً کنسٹیبل استعمال

میں لاتے رہے اور آخرکار انہیں میں سے ایک نے گم کر لیا۔

پانچواں باب

نگرانی و نظربندی

لاہور میں گرفتاری کے دن سے لیکر۔ مانڈلے میں بحالت نظربندی۔ اور پھر مغربی مباہمیر کے سٹیشن پر اپنی رہائی کے وقت تک نہایت احتیاط سے میری نگرانی کی جاتی رہی۔ افسروں اور مقررہ ملازموں کے سوا کوئی شخص نہ تو میرے پاس آسکتا تھا۔ نہ کوئی بات کر سکتا تھا۔ اس عرصہ کے درمیان میرے دوستوں یا رشتہ داروں میں سے کسی کو مجھے ملنے کی اجازت نہ ملی۔ اگست میں مجھے اطلاع دیگئی کہ اگر میرا کوئی رشتہ دار گورنمنٹ پنجاب سے اجازت حاصل کر کے مجھے ملنا چاہے تو گورنمنٹ ہند کو اعتراض نہ ہوگا۔ اگست کے اخیر یا اکتوبر کے شروع میں میرے چھوٹے بھائی لالہ دھنپت رائے بی اے۔ ایل ایل بی

وکیل فیروز پور نے مجھے ملنے کی اجازت طلب کی۔ مگر سر ڈینزل اٹبسن کی گورنمنٹ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس سے اور اسی قسم کی درخواستوں کا دروازہ بند ہو گیا۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ میری سخت نگرانی کی جاتی تھی۔ ایک پہریدار ہر وقت سڑک کی طرف تعینات رہتا۔ اندر سے احاطہ میں جو سیڑھیاں تھیں باہر سے ان کا دروازہ ہر وقت بند رہتا۔ رات کے وقت ایک سنتری اندر کی سیڑھیوں پر تعینات کیا جاتا۔ باہر کا سنتری اسی جگہ پہرہ دیتا جہاں سے وہ مجھے بستر پر سویا ہوا دیکھ سکتا۔

یورپین سارجنٹ اور برہمی سب انسپکٹر دن اور رات میں کئی کئی بار مجھے دیکھتے تھے۔ میری خدمت گذاری کے لئے مقررہ ملازموں یا پولیس والوں کے سوا کسی شخص کو احاطہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اندر آنے یا باہر جانے پر ملازموں کی تلاشی لی جاتی تھی

خط و کتابت } میری تمام خط و کتابت کا ملاحظہ کر لیا جاتا تھا۔ صرف چند خطوط کھلے ہوئے مجھے دیئے جاتے تھے۔ کوئی خط کہ جس میں میری گرفتاری۔ جلا وطنی یا قید وغیرہ کے متعلق ذکر ہوتا تھا۔ مجھے نہیں دیا جاتا تھا۔ اور نہ ہی کوئی ایسا خط میرے تک پہنچنے دیا جاتا تھا۔ کہ جس میں لاہور کے یا دیگر حصص ملک کے واقعات درج ہوتے تھے۔ جو خط میں اپنے دوستوں کو لکھتا اگر اس میں کسی قسم کی شکایت درج ہوتی تو سپرنٹنڈنٹ اس کے بھیجنے کی اجازت نہ دیتے

مگر جس خط میں سپرنٹنڈنٹ کی نسبت کوئی تعریفی کلمہ لکھا ہوتا وہ فوراً روانہ ہو جاتا۔

اخبارات

کسی قسم کا کوئی اخبار دیکھنے کی ہرگز اجازت نہ تھی۔ یورپین سارجنٹوں کو حکم تھا۔ کہ جب وہ میری نگرانی کرنے کی ڈیوٹی پر تعینات ہوں تو کوئی اخبار اپنے پاس نہ رکھیں۔ جو کتابیں مجھے دیکھنے کو دی جاتیں ان کو احتیاط سے دیکھ بھال لیا جاتا۔ اور اسی طرح مطالعہ کر چکنے کے بعد واپسی پر ان کی بخوبی پڑتال کی جاتی۔

شروع شروع میں سیر کے وقت صرف ایک یورپین سارجنٹ ساتھ ہوا کرتا تھا اور اسکو ہدایت تھی۔ کہ وردی پہنکر مسلح جایا کرے۔ لیکن چند ہی روز بعد دو پولیس کنسٹبل اور اضافہ کئے گئے۔ سڑک پر چلتے ہوئے کسی شخص کو میرے نزدیک آنے یا مجھ سے گفتگو کرنے کا حکم نہ تھا۔ گو کبھی کسی نے میرے قریب آنے یا گفتگو کرنے کی کوشش نہ کی۔ پولیس والے سفید وردی میں بنگلے کے اردگرد اور سڑک پر عموماً ادھر ادھر نگرانی کرتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔ کہ کوئی خط و کتابت تو نہیں کی جاتی۔ چند روز تک سڑک پر گذر ہونیوالے ہندوستانیوں کو تنگ کیا جاتا رہا۔ بعض پولیس افسروں نے کارگذاری کے خیال میں ہندوستانیوں کا گذرنا ہی اس سڑک پر بند کر دیا۔ گاڑی پر گذرنیوالے معززین کو بھی روک دیا جاتا۔ اور کسی دوسری سڑک سے جانے کے لئے واپس کیا جاتا۔ برہما کی پولیس میں زیادہ تر ہندوستانی اور عموماً

پنجابی سپاہی اور افسر ہیں۔ اسیرانِ سلطانی کی نگرانی سے ان پنجابیوں کو عمداً الگ رکھا گیا تھا۔ میرے مانڈلے پہنچنے کے وقت یورپین سارجنٹ کو ذاتی خدمت کے لئے ایک اردلی دیا جایا کرتا تھا۔ اور یہ اردلی عموماً پنجابی مسلمان ہوتے تھے۔ چند روز بعد پنجابیوں کی جگہ برہمی اردلی سارجنٹ کھانا وغیرہ لانے کے لئے مقرر ہونے لگے۔ جو سڑکیں سیر کے لئے مقرر تھیں۔ وہ ایک دروازے کے پاس سے ہوکر گذرتی تھیں جس دروازے پر پنجابی سپاہیوں کا پہرہ ہوا کرتا تھا۔ ان کو بھی پہرے سے الگ کر کے ان کی جگہ برہما سفر مینا کے سپاہی تعینات کئے گئے۔

کچھ عرصہ تک مجھے سلام کرنیوالے ہندوستانیوں کو دھمکایا جاتا اور ان کی خفیہ طور سے نگرانی کی جاتی۔ ایک شام دو ہندوستانی گرفتار کئے گئے۔ ان پر الزام تھا کہ وہ سڑک پر پھرتے پائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک کو تو تنبیہ کر کے فوراً چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے کو کچھ عرصہ تک روکا گیا۔ پولیس سپرنٹنڈنٹ نے آکر اس کی ولدیت۔ سکونت۔ اور پیشہ وغیرہ کے متعلق کئی سوالات کئے۔ یہ شخص ایک مستعفی اوورسیر تھا اور اب برہما میں ٹھیکہ داری کا کام کرتا تھا۔ اس سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا وہ مجھے جانتا ہے؟ اور اس نے سلام کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا۔ کہ وہ مجھے عام شہرت سے جانتا ہے۔ اور مجھے ایک "مہاتما اور بزرگ انسان" سمجھتا ہے۔ اور اس لئے میری عزت اور ادب کرنا اپنا فرض خیال کرتا ہے۔ اس سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا وہ آئندہ نہ کرنیکا وعدہ کرتا ہے۔ اسکا جواب اس نے نفی میں دیا۔ اس سے

مانڈلے آنے کا سبب پوچھا گیا۔ اور اس نے جواب دیا کہ وہ اپنے کاروبار
کی وجہ سے پنجابیوں کی دھرم سالہ میں ٹھیرا ہوا ہے۔ اسکو تنبیہ کی گئی
کہ وہ اس طرف نہ آیا کرے۔ اور چھوڑ دیا گیا۔ اس سے مجھے سخت رنج
ہوا۔ اور دوسرے دن میں نے سیر کو جانے سے انکار کر دیا۔ میں
نے اپنے ایک دوست کو لاہور میں چٹھی لکھی اور اس میں اس واقعہ کا
ذکر کیا اور لکھا کہ میں نے سیر کو نکلنا چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ میں اپنے ہموطنوں
کے اس طرح تنگ کئے جانے پر اس بات کو ترجیح دیتا ہوں۔ کہ سیر کو
نہ جایا کروں۔ میں نے اپنے دوست سے خواہش کی۔ کہ وہ کسی نہ کسی
ذریعہ سے مانڈلے میں موجودہ پنجابیوں اور ہندوستانیوں کو اطلاع
دے دیں کہ وہ سڑک پر مجھے سلام نہ کریں۔ کیونکہ اس سے کچھ فایدہ
نہیں ہوتا۔ ان کو تکلیف دی جاتی ہے اور میری مشکلات بڑھ جاتی
ہیں۔ یہ چٹھی مجھے یہ کہہ کر واپس دی گئی کہ اس قسم کی خط و کتابت کی
خط و کتابت کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے
آکر مجھ سے سیر کو نہ جانے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے وجہ ظاہر کر دی۔
سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کہا کہ وہ آدمی کئی بار سڑک پر پھرتا ہوا دیکھا گیا
تھا۔ اس لئے نوٹس لینا ضروری تھا۔ اور آیندہ اس قسم کا کوئی واقعہ
وقوع پذیر نہ ہوگا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل نے بھی مجھے یقین دلایا کہ جو لوگ مجھے
سلام کریں گے ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائیگا۔ مگر واقعی بات
یہ ہے کہ سلام کی بندش بدستور جاری رہی۔ ایک مدت بعد سپرنٹنڈنٹ جیل
نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ کیا اب بھی کوئی سلام کرتا ہے۔ میں نے جواب

کہ ہاں کوئی کوئی ۔ کئی یورپین سارجنٹوں نے مجھے اطلاع دی کہ ہندوستانی سپاہیوں کو ہدایت کی گئی ہے ۔ کہ مجھے سلام نہ کریں ۔ اور نہ ہی میرے بنگلے کے سامنے والی سڑک سے گذرا کریں ۔ لیکن کئی ایک نے ان ہدایتوں پر عمل کرنے کی پرواہ نہ کی ۔ وہ برابر آتے ۔ مجھے دیکھتے اور بعض اوقات سلام بھی کر دیتے ۔ میں نے بھی کئی بار انہیں اشارہ کیا ۔ کہ وہ سلام وغیرہ نہ کیا کریں ۔ مگر انہیں کوئی پرواہ نہ تھی ۔ میں کئی حیلوں سے ایسے موقعے ٹالنا چاہتا تھا ۔ اگر میں کہیں دیکھ پاتا کہ کچھ پنجابی میری طرف آ رہے ہیں تو میں ارادتاً دوسری طرف رُخ کر لیتا ۔ برآمدے یا احاطہ میں چلتے پھرتے اگر ہندوستانی آتے دکھائی دیتے تو میں کمرے کے اندر چلا جاتا ۔ یا بنگلے کے دوسری طرف ہو رہتا ۔ بعض اصحاب بار بار آتے اور معلوم ہوتا تھا ۔ کہ خواہ کچھ ہو ۔ وہ مجھے ایک نظر ضرور دیکھ لینا چاہتے ہیں ۔ ایک دن ایک سکھ اس لئے گرفتار کیا گیا ۔ کہ سڑک پر کھڑا ہو کر مجھے دیکھنا چاہتا تھا ۔ جب اس نے مجھے برآمدے میں دیکھا تو اظہار ادب میں جھک گیا ۔ اسپر اسے گرفتار کر کے ایک کنسٹبل کی حراست میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بھیجا گیا ۔ یہ شخص کسی قدر دلیر تھا ۔ برہمی سب انسپکٹر نے کچھ گستاخانہ زبانی سے کام لیا ۔ جس کا جواب بہادر خالصہ نے ترکی بہ ترکی دیا ۔ میں نے سب انسپکٹر کو اس پر یہ الزام لگاتے بھی سنا ۔ کہ اُس نے مجھے جھک کر سلام کیا ہے ۔ سب انسپکٹر نے کہا ۔ "جب گورنمنٹ نہیں پسند کرتی کہ تم سلام کرو ۔ تو تم کیوں جھکتے ہو" ۔ خالصہ کا جواب تھا ۔ "گورنمنٹ کسی قانون کے ذریعے ہمیں ایسا کرنے سے نہیں روک سکتی" ۔ ایک دفعہ گورنمنٹ کے ایک دفتر کا چپراسی گرفتار کیا گیا کیونکہ اس نے مجھے دیکھ کر بطور اظہار ادب

پیشانی تک ہاتھ اُٹھایا تھا - اسکو بعد میں جلدی ہی چھوڑ دیا - اور مجھے یقین ہے - کہ یہ معاملہ نہ تو کہیں ڈایری میں درج ہوا اور نہ ہی اس کے متعلق کوئی رپورٹ کی گئی - بطور اظہار ناراضگی میں نے سیر نہ کی اور وہیں سے واپس آ گیا - مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ گورنمنٹ اپنا وقار اور اقتدار قایم رکھنے کے لئے انتہائی درجہ کی بیہودہ کارروائیاں کرنے کی حد تک پہنچ گئی ہے - ایک دن ایک دس سالہ مسلمان بچہ بار بار مجھے سلام کر رہا تھا - اس کے باپ نے دور سے دیکھا - اور اس کو منع کرنے کے لئے آواز دی - تاکہ وہ کہیں گرفتار نہ کر لیا جاوے - قلعہ میں پنجابیوں کی کثیر تعداد مختلف صیغوں میں کام کرتی تھی - وہ آتے جاتے مجھے برابر سلام کرتے تھے - بعض جُھکتے بعض چوری چوری اظہار ادب کرتے تاکہ نگرانی والے نہ دیکھ پائیں - اور یہ نظارہ بڑا ہی موثر ہوتا تھا - جو سڑکیں میرے سیر کے لئے مقرر تھیں - ان پر یورپین عہدیداروں کے بنگلے تھے - اور ان میں مدراسی ملازم رہا کرتے تھے - ان مدراسی ملازموں کے بچے میرے آنے کا خیال رکھتے - اور جب میرے سیر کو جانے کا وقت ہوتا تو سڑک کے کنارے قطار باندھ کر کھڑے ہو جاتے اور مجھے سلام کرتے - ان کی محبت کا جواب دینا قدرتی تھا - میں ان میں سے اکثر کو تھپکی اور بعض اوقات پیسے دیا کرتا - صاحب فہم محافظوں نے تو کبھی اس کا خیال نہ کیا - مگر ایک دن ایک محافظ ساتھی مجھ سے دریافت کرنے لگا کہ آپ کا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے - جب میں نے جواب دیا - کہ میں انہیں جانتا تک نہیں - تو وہ ان بچوں کے اظہار محبت پر سخت متعجب ہوا - اور میں ہنسکر خاموش ہو رہا ؛

ایک دن صبح چار بجے میں بستر پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا - کہ ایک سکھ کے بلند آواز سے جپ جی پڑھنے کی آواز سُنائی دی - سارجنٹ نے اس شبہ پر کہ وہ اپنی زبان میں مجھے کچھ پیغام دے رہا ہے - اسکو فوراً بند کر دیا - پھر وہ میری طرف آیا - کہ آیا میں جاگتا ہوں یا نہیں - اور جب مجھے جاگتا پایا - تو اسکا شک اور بھی پختہ ہو گیا - کہ سکھ اس زبان میں جو اس کے لئے یونانی سے کم نہ تھی سچ مچ مجھے کوئی پیغام پہنچا رہا تھا -

میرے رہنے والے بنگلے کے گرد میدان تھا - اور اس میں گھاس تھی دلیسی رجمنٹوں کی گائیں وہاں چرتی تھیں - اور چرانیوالے ہندو اور مسلمان پنجابی لڑکے ہوتے تھے - اس دُور دراز دیس میں ان کے لئے اس سے زیادہ اور کوئی خوشی نہ تھی - کہ وہ اپنے وطن کے مروجہ راگ اونچی آواز سے گائیں - مگر جوں ہی ان کی آواز بلند ہوتی - انہیں خاموش رہنے کا حکم دیا جاتا - اور کنسٹیبل ان کے مویشی ہانک کر دور پرے نکال دیتے - سوائے ایک دفعہ کے کہ جب صدر ہسپتال کو آنکھوں کا ملاحظہ کرانے کے لئے جانا پڑا - مجھے زمانہ قید میں کبھی قلعہ سے باہر جانے کی اجازت نہ دی گئی - ۲۰ جولائی کو سیر کے لئے باہر نکلنا حکماً بند کر دیا گیا - لیکن دو دن بعد پھر اجازت ہو گئی بندش اس افواہ کے باعث ہوئی - کہ پنجاب سے کچھ لوگ مانڈلے کو روانہ ہوئے ہیں - اور وہ مانڈلے میں اسیرانِ سلطانی سے ملنا اور ان سے خط وکتابت کرنا چاہتے ہیں -

خط وکتابت بند } مندرجہ ذیل سوال جواب سے جو ۹ جولائی کی پارلیمنٹری رپورٹ سے لئے جاتے ہیں

یہ ظاہر ہوگا کہ اسیران سلطانی کے متعلق پارلیمنٹ اور عوام کو کس طرح دھوکا دیا جاتا رہا۔

مسٹر ولیم ریڈمنڈ (آیرش ممبر) نے سکریٹری آف سٹیٹ ہند سے دریافت کیا کہ کیا وہ اسیرانِ سلطانی کہ جنہیں جوابدہی کا موقعہ دیئے بغیر گرفتار کر کے جلاوطن کیا گیا ہے اپنے دوستوں سے خط وکتابت کر سکتے ہیں؟ اور کیا ان کے رشتہ داروں کو ان سے ملنے کی اجازت ہے؟

مسٹر مارلے نے جواب دیا۔ کہ لالہ لاجپت رائے اور اجیت سنگھ کو اپنے دوستوں کے ساتھ خط وکتابت کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن ان کی خط وکتابت کو اس خیال سے دیکھ لیا جاتا ہے کہ کسی قسم کی بے چینی پیدا ہونے کا موقعہ نہ ہو۔ اسوقت تک صرف ایک چٹھی روکی گئی ہے۔ ہندوستان سے مجھے اطلاع ملی ہے۔ کہ قیدیوں کو ملنے کی کسی نے خواہش ظاہر نہیں کی لیکن میرا خیال ہے۔ کہ ایسے انتظام کی زیر نگرانی کہ کسی قسم کی کوئی ناواجب بات یا ناجایز خط وکتابت نہ ہو سکے کسی کے ملاقات کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

مسٹر ریڈمنڈ۔ کیا آنریبل جنٹلمین ایسا کر سکتے ہیں۔ کہ قیدیوں کو کسی ایسے مقام پر رکھا جائے۔ کہ جہاں وہ دوست جو دوری مسافت کی وجہ سے ان کو اب مل نہیں سکتے آسانی سے ملاقات کر سکیں۔

مسٹر مارلے۔ مجھے خوف ہے کہ اس پسندیدہ یا ناپسندیدہ جلاوطنی سے جو نتیجہ ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اس طرح حاصل نہ ہوگا۔

مسٹر ریڈمنڈ۔ کیا رائیٹ آنریبل جنٹلمین ایسا انتظام کرینگے کہ جو سہولتیں

آیرش پولیٹیکل قیدیوں کو کلیمن ہام کے جیل میں حاصل تھیں وہ ان اسیرانِ سلطانی کو بھی میسّر ہوں"۔

مسٹر مارلے۔ "جب آیرلینڈ کے حکومتی اختیارات میرے اختیار میں تھے تو کلیمن ہام کے جیل میں کوئی پولیٹیکل قیدی نہ تھے۔ اس سے پہلے مجھے یاد نہیں کہ کیا انتظام کیا گیا تھا"۔

مسٹر ریڈمنڈ۔ "میں جناب کو اس کی نسبت ضروری واقفیت بہم پہنچانے کی کوشش کرونگا"۔

مسٹر میکارنس "کیا قیدی اپنے مشیران قانونی کے ساتھ خط و کتابت کر سکتے ہیں"؟

مسٹر مارلے۔ "مجھے ایسا ہی خیال ہے"۔

دیگر حصص کتاب ہذا میں بیان کردہ واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مسٹر مارلے کے ان بیانات میں کتنی کچھ صداقت موجود تھی چند خطوط ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ یہ خطوط روک لئے گئے اور مجھے نہ پہنچائے گئے۔ کوئی خط مجھے دینا یا نہ دینا اور میرا کوئی خط روانہ کرنا یا نہ کرنا سپرنٹنڈنٹ جیل کی مرضی پر منحصر تھا۔ اور سپرنٹنڈنٹ جیل مسٹر مارلے کے ظاہر کردہ اصول پر عمل نہیں کر رہا تھا۔ بطور مثال۔ مندرجہ ذیل چٹھیوں میں سے پہلی چٹھی روک لینے کی کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ اس چٹھی میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ایک شخص نے اپنی اور ایک دوسرے دوست کی خیر عافیت سے اطلاع دی ہے۔ اسی طرح اور بہت سی چٹھیاں کہ جو روکی گئیں اور رہائی کے بعد بحکم گورنمنٹ میرے حوالے کی گئیں بالکل

بے ضرر ہیں۔ ان میں کہیں کہیں میرے ساتھ صرف ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس موقعہ پر یہہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے۔ کہ جو چٹھیاں روکی گئیں وہ سب کی سب بعد میں مجھے نہیں دی گئیں۔ آنریبل مسٹر گوکھلے نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے مجھے مانڈلے میں ایک دو چٹھیاں لکھی تھیں۔ مگر مجھے اُن کی کوئی چٹھی نظربندی کے دوران میں یا رہائی کے بعد آج تک نہیں ملی۔ مسٹر گوکھلے نے دو اور چٹھیاں بھی بھیجی تھیں۔ یہ چٹھیاں مسز بلر مسٹر ڈبلیو سی بنرجی مرحوم کی دختر نے جو ایک انگریز بیرسٹر سے بیاہی ہوئی ہیں ان کے پاس میرے نام کی ارسال کی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ چٹھیاں بھی کیوں روک لی گئیں۔ ان چٹھیوں میں سے جو روکی گئیں چند چٹھیاں یہ ہیں۔

(۱) "لاہور ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء"

واجب التعظیم بالوجی۔ میں اور مسٹر ایتھاولے اچھے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ خیریت سے ہونگے"۔

"تابعدار جسونت رائے"

(۲) "۱۸ ٹریس روڈ۔ پلیزنٹ سونیا"۔

۱۶ مئی ۱۹۰۷ء

"جناب والا۔ میں ایک ۲۲ سالہ نوجوان اور ویلز کا رہنے والا ہوں۔ ہندوستانی معاملات سے مجھے گہری دلچسپی ہے۔ کیا آپ مجھے ہندوستان میں موجودہ ایجی ٹیشن کے متعلق چند سطور لکھ بھیجنا منظور کرینگے۔ میں آپ سے سننا چاہتا ہوں کہ کیا آپ نے واقعی کوئی ہیبتناک کام انجام دیا ہے۔

ہندوستانی معاملات پر پارلیمنٹ میں ہر روز مباحثے ہو رہے ہیں۔ انگلنڈ کے باشندے ہندوستانی معاملات کے متعلق درحقیقت بہت کم جانتے ہیں۔ میں ہندوستان کے متعلق زیادہ واقفیت حاصل کیا چاہتا ہوں مجھے امید ہے کہ آپ خالی بیٹھنا پسند نہ کرتے ہونگے اور مفید آپ کے لئے رنجیدہ نہ ہوگی۔ جواب ملنے پر میں آپ کا شکر گذار ہونگا"

(آپ کا صادق ہیٹہ۔ جے۔ سبنڈی)

(۳) مندرجہ ذیل چٹھی ہندی میں تھی۔

"از کاشی - جن کے سینوں میں پراوپکار کا جذبہ موجود ہے۔ ان کے لئے اس دنیا میں کوئی حالت حاصل کر لینا بھی مشکل نہیں"

رام چندر

(۴) مندرجہ ذیل اردو چٹھی تھی۔

آگرہ - ۲۴ جون ۱۹۰۸ء

سردار جی - نمستے - آپ کی جلاوطنی کی افسوسناک خبر سن کر میں آگرہ سے لاہور پہنچا - اور لالہ رنپت رائے جی کے پاس تین دن ٹکا رہا - انہیں دنوں میں منشی جی (مراد از والد بزرگوار) اور لالہ پیارے لال بھی جگرانواں سے لاہور واپس آ گئے - اور مجھے ان کے درشن ہو گئے - میں تین مہینے سے آگرے میں ہوں اور امرت سر واپس جانے کا ارادہ نہیں - آپ پنجاب سے دور ہیں تو میں کس لئے وہاں رہوں - پرماتما سے پرارتھنا ہے کہ آپ جلدی پنجاب کو واپس آئیں اور آپ کی نسبت دشمنوں نے جو افواہیں اڑا رکھی ہیں وہ جھوٹی ثابت ہوں - اپنی خیریت

سے کہ پاکر کے آگاہ کریں"۔

"آپ کا صادق تاتھ مل"

(۵) گورداسپور۔ ۶ر اگست ۱۹۰۷ء

"معزز بزرگ۔ یہ معلوم ہونے پر کہ دوستوں کو آپ سے خط وکتابت کی اجازت ہے۔ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی صحت کیسی ہے۔ وہ استھان دھفنیہ ہے۔ کہ جہاں آپ کا نواس ہے۔ میں پانچویں بادشاہی (سری گورو ارجن دیو) کے کچھ شبد لکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یہ شبد گور مکھی ہیں

مجھے امید ہے کہ آپ بخیریت ہونگے اور مجھے جواب لکھیں گے"

"آپ کا صادق گوردت سنگھ"

(۶) ماموم سٹریٹ بمبئی۔ ۹ر ستمبر ۱۹۰۷ء

بخدمت شری یُت لالہ لاجپت رائے جی

قلعہ مانڈلے برٹش برہما

نمبر ۳۰۲۱ - ۱۹۰۷

جناب والا۔ ہم سے خواہش کی گئی ہے۔ کہ ہم آپ کی طرف سے اخبار ڈیلی ایکسپریس کو ان جھوٹے تہتک آمیز الزامات کے لئے جو اخبار مذکور کے نامہ نگار نے شملہ سے بھیجے نوٹس دیں اور اگر ضرورت ہو تو دعوےٰ کرنے کے لئے اپنے لنڈن کے ایجنٹوں کو ہدایت کریں۔ اس چٹھی کی ایک نقل آپ کی خدمت میں ارسال کر کے دریافت کیا جاتا ہے۔ کہ کیا آپ ہمیں ایسا کرنے کا اختیار دیتے ہیں۔ بغرض کفایت وقت ہم نے اس کے متعلق

اپنے لنڈن میں مقیم ایجنٹوں کو لکھ دیا ہے۔ مگر ساتھ ہی ہدایت کردی ہے کہ جب تک اُنہیں بذریعہ تار اطلاع نہ دی جائے وہ کوئی نوٹس ارسال نہ کریں۔ اس لئے برائے مہربانی بوا پسی ڈاک جواب دیں۔ اگر اس معاملہ کے متعلق آپ کوئی ہدایت کرنا چاہیں تو وہ خوشی سے قبول کی جائیگی۔ مختار نامے میں خالی مقامات۔ سوئے تاریخ۔ لنڈن میں پُر کئے جائینگے

"آپ کے۔ دکشت دھنجی شاہ۔ سُنار دواس"

ایڈیٹر فی سٹریس۔ لنڈن۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۰۸ء

جناب والا۔ ایک نئے رسالہ بنام انٹرنیشنل ریویو کے متعلق کہ جو اس موسم سرما میں شایع ہونا شروع ہوگا۔ ایک گشتی چھٹی اور ایک کاپی پراسپکٹس ارسال ہے۔ یہ رسالہ بنی نوع انسان کی ترقی اور بہتری کے متعلق مضامین شایع کیا کریگا۔ ہم مشکور ہونگے۔ اگر آپ مہربانی کرکے ہندوستان کی موجودہ پولیٹیکل حالت پر ایک مضمون لکھ کر عنایت کرینگے۔

جہاں تک جلدی ممکن ہو سکے۔ جواب سے مشکور فرمادیں۔ اگر ہو سکے جنوری نمبر کے لئے دو ہزار الفاظ کا ایک آرٹیکل آپ بھیج کر ممنون کریں۔ مسٹر چڑجی ایڈیٹر ماڈرن ریویو مسٹر بیدوا ہمارے جنرل ایڈیٹر سے واقف ہیں۔ اگر آپ ضروری خیال کریں۔ تو ان سے خط وکتابت کرلیں"

انٹرنیشنل کے لئے

"جے کگا دن"

"لالہ لاجپت رائے۔ بذریعہ ماڈرن ریویو الہ آباد"

چھٹا باب

عام سلوک کی کیفیت

زمانہ اسیری میں جن یورپین افسروں کے ساتھ مجھے کسی نہ کسی طرح واسطہ پڑتا تھا وہ مندرجہ ذیل تھے۔
سپرنٹنڈنٹ جیل۔ ڈپٹی کمشنر مانڈلے۔ سپرنٹنڈنٹ و ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مانڈلے۔ یورپین سارجنٹ جو میری نگرانی پر متعینہ پولیس گارد کا افسر اعلےٰ ہوتا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ جیل کا سلوک

سپرنٹنڈنٹ جیل ہندوستانی صیغہ ڈاکٹری میں کپتان کا درجہ رکھتا تھا۔ یہ جوان آدمی تھا۔ پہلے صرف جیل کا انتظام اس کے سپرد تھا۔ پھر وہ بطور سول سرجن بھی کام کرنے لگ گیا میں نے کہیں ذکر کیا ہے۔ کہ اسکو پہلی نظر میں میں نے خوش خلق انسان پایا۔ اور اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھا۔ کہ ایسے شخص کی نگرانی میں مجھے

مجھے سپرد کیا گیا ہے۔ میں نے خیال کیا۔ کہ وہ بے تکلف۔ راستباز اور نرم دل انگریز ہوگا۔ اور اس کی بے تکلف عادات اور آزادمزاجی کی وجہ سے اس کے ساتھ میری خوب بن آئیگی۔ لیکن جلدی ہی مجھے معلوم ہوگیا۔ کہ وہ ہندوستان میں پُرغرور انگریزیت کی آب و ہوا کے تعفن سے بہت کچھ متاثر ہوچکا ہے۔ اور اصلی معنوں میں اینگلو انڈین بن رہا ہے۔ اگرچہ مجھے بعض اوقات معلوم ہوتا تھا کہ انگریز اور اینگلو انڈین عنصر ہونے کے متضاد خیالات کے درمیان سخت کشمکش ہو رہی ہے وہ حلیمی اور سخت مزاجی کا ایک عجیب و غریب مرکب بن رہا تھا۔ معمولی طور پر وہ نہایت نیک نہاد تھا۔ اور بلاوجہ دوسروں کے معاملات میں دخل درمعقولات کا مشتاق نہ تھا۔ یہ صفت اس کے انگریز ہونے کی وجہ سے تھی۔ مگر اینگلو انڈین ہونے کی وجہ سے اس میں ناوانستہ غُرفش کی عادت پیدا ہوگئی تھی۔ ابتدائی چند روز وہ مہربان نظر آتا تھا۔ اس کا سلوک اور برتاؤ معقول تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ گورنمنٹ کی جابرانہ اور وحشیانہ کارروائی کو (جو الزام لگائے اور جوابدہی کا موقعہ دیئے بغیر میری جلاوطنی کے متعلق عمل میں آئی) محسوس کرتا ہے اور اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے۔ میرے پہنچنے سے دوسرے ہی دن اس نے مجھے اپنی کتاب برہمی زبان سیکھنے کو دی اور وعدہ کیا۔ کہ میرے خرچ پر وہ میرے لئے برہمی زبان سکھانے کو ایک منشی ملازم رکھ دیگا۔ اس کے بعد میں نے اس کی اجازت سے ایک اور کتاب برہمی اور انگریزی زبان کی خریدی۔ چند روز وہ مجھے ڈفرن کلب سے کتابیں لادیتا رہا۔ اور اس کا سلوک عنایتانہ تھا۔ لیکن پھر اس میں تبدیلی آنا شروع ہوگئی۔ برہمی

زبان سیکھنے کی ممانعت کردی گئی۔ یہ ممانعت غالباً اعلےٰ احکام کے ایما سے تھی۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے صرف یہی وجہ ظاہر کی۔ کہ پولیٹیکل وجوہات سے میرا یہ بھی زبان سیکھنا اسکو منظور نہیں۔ ایک دن جب میں نے ایک دوست کو اپنی حلاوت طبع سے ایک چٹھی میں اطلاع دینا چاہا اس کا یہ تاؤ مجھ سے پرلے درجہ کا سفیہانہ تھا۔ اور اس نے میری بیماری کو بہانہ سازی ظاہر کرکے مجھ پر اتہام لگایا۔ پھر ایک موقعہ پر جب اس نے حجام کو تنخواہ دینے سے انکار کیا۔ اُسکا طرزِ گفتار اور زیادہ حماقت آمیز اور سخت قابل اعتراض تھا۔ اس نے یہ شبہ ظاہر کر کے مجھے رنج دیا۔ کہ آیا میں گھر پر بھی دوسرے دن حجامت بنوایا کرتا تھا۔

مجھے پکارنے میں اُس نے آہستہ آہستہ معمولی شائستگی سے بھی کنارہ کشی کرلی۔ میرا نام لکھ کر بلانے۔ میرے لئے نسخہ لکھنے یا میرے نام کسی چٹھی میں معمولی اضافی الفاظ استعمال کرنا بھی اس نے ترک کر دیئے۔ پہلے دو تین مہینے وہ میرے پاس آکر اکثر بات چیت کیا کرتا۔ لیکن بعد ازاں وہ اپنی حسب معمول روزانہ آمد پر نیچے ہی سے میرا نام لیکر آواز دیتا۔ اور بعض اوقات سڑک پر سے پکار کر مجھے پوچھ لیتا کہ اچھے تو ہو کسی شے کی ضرورت تو نہیں۔ کبھی کبھی سڑک پر کھڑے کھڑے یا احاطہ میں بلا کر وہ مجھے میری چٹھیاں وغیرہ حوالے کرتا۔ چٹھیاں پہنچنے سے عموماً چوبیس گھنٹے بعد مجھے دی جاتی تھیں۔ لیکن بعد میں اکثر چٹھیاں اس سے بھی زیادہ عرصہ بعد دی گئیں۔ ہندوستانی زبانوں میں لکھی ہوئی چٹھیوں کے متعلق تو یہ توقف اس سے بھی ہونا ممکن تھا۔ کہ اسکو اپنے ملاحظہ کے لئے چٹھیاں

ترجمہ کروانی پڑتی تھیں۔ لیکن انگریزی چٹھیوں کے متعلق ایسی کوئی ضرورت
نہ تھی اور اس لئے ان کے پہنچانے میں غیر معمولی تاخیر کا اور کوئی باعث
سوا اس کے نہیں ہو سکتا کہ ان چٹھیوں کو پڑھنے اور درج رجسٹر کرنے کے لئے
اسکو وقت نہ ملتا تھا۔ یا یہ کہ اسکو ایک قیدی کے جذبات و محسوسات کی
کوئی پرواہ نہ تھی۔ بزرگوار پتا کی ایک چٹھی جو ۱۹ جولائی کو مانڈلے پہنچی مجھے
۲۴ تاریخ کو دیگئی اور ۱۷ کی موصول شدہ چٹھیاں مجھے ۱۹ کی شام کو دیگئیں
ایک انگریزی چٹھی جو ۱۱ ستمبر کو پہنچی مجھے ۱۴ کو دی گئی۔ ایک اور انگریزی چٹھی
۲۳ اکتوبر کی آئی ہوئی مجھے ۲۸ کو دیگئی۔ میرے بھائی کی طرف سے
ایک انگریزی خط جو ۴ کو پہنچا مجھے ۸ کو دیا گیا۔ ولایتی ڈاک سے ۴ نومبر
کو موصول شدہ چٹھی مجھے ۸ نومبر کو دیگئی۔ یہ صرف چند چٹھیوں کے متعلق
یادداشتیں لکھ دی گئی ہیں ورنہ ڈائری میں ایسے کثیر اندراجات ملتے ہیں
جو چٹھیاں میرے نام موصول ہوئیں ان میں سے بہت کم مجھے دی گئیں
اور اکثر روک لی گئیں۔ شروع شروع میں تو سپرنٹنڈنٹ مجھے کہہ دیا کرتا
تھا۔ کہ ان چٹھیوں میں کوئی ضروری باتیں نہیں۔ اور بعض اوقات وہ
بھیجنے والوں کے نام بھی بتلا دیا کرتا تھا۔ وہ اکثر مجھے مشورہ دیتا۔ کہ میں
اپنے پُتر (پیارے لال) کو لکھ دوں۔ کہ وہ لوگوں کو ایسی چٹھیاں بھیجنے
سے منع کریں کہ جن میں میری گرفتاری یا جلاوطنی کا ذکر کیا گیا ہو۔ کیونکہ
ایسی چٹھیوں کی میرے ہاتھ تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ کچھ عرصہ بعد اس
نے ایسی چٹھیوں کے متعلق بالکل چپ سادھ لی۔ میں نے اپنے ایک
دوست کو چٹھی لکھی۔ کہ وہ اس قسم کی خط و کتابت کرنے والوں کو مطلع کردیں

کہ اس قسم کی چھٹیاں مجھے نہیں پہنچ سکتیں۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ نے یہ چٹھی مکتوب الیہ کو روانہ کرنے سے انکار کر دیا۔ مانڈلے سے روانگی کے چند روز پیشتر وہ تُند مزاجی کے انتہائے کمال تک پہنچ گیا۔ ۳۲ نومبر کو اس نے مجھے نیچے سے آواز دی اور چند چھٹیاں میرے حوالے کیں۔ پھر گورہ سارجنٹ اور برہمی سب انسپکٹر کے روبرو دریافت کیا۔ کہ آپ کا کوئی بھائی دھنپت رائے بھی ہے۔ کیا اس نے آپ کو ملنے کی کبھی خواہش کی ہے میں نے اسکا جواب اثبات میں دیا۔ اور اسکو ایک چٹھی یاد دلائی جو مجھے والد کی طرف سے پہنچی تھی۔ اور جس میں مجھے اطلاع دیگئی تھی کہ لالہ دھنپت رائے نے پنجاب گورنمنٹ کے پاس ملاقات کے لئے درخواست کی تھی۔ مگر منظور نہیں ہوئی۔

اتنی باتوں کے بعد وہ چلا گیا۔ اور میں نے اسکو چٹھی لکھی۔ کہ میرے خیال میں لالہ دھنپت رائے کی درخواست کے متعلق کوئی چٹھی موصول ہوئی ہے۔ اور وہ روک لی گئی ہے۔ اس لئے اگر اگر فرلیندہ کا نام حسب دستور سابق بتلا دیا جائے۔ تو عنایت ہوگی۔ یہ چٹھی لکھتے وقت مجھے خیال تک نہ تھا۔ کہ چٹھی کا کوئی فقرہ سپرنٹنڈنٹ کے لئے رنجیدہ ہوگا اس چٹھی کا ناموافق سے ناموافق جواب جو میں خیال کر سکتا تھا۔ وہ اطلاع دہی سے انکار ہی ہو سکتا تھا۔ لیکن ناظرین اس کے جواب میں کیا آپ اس ڈانٹ ڈپٹ کا تصور باندھ سکتے ہیں کہ جو ایک ایسے انسان کی طرف سے ہو رہی تھی جو بلحاظ عمر مجھ سے چھوٹا تھا اور تعلیم یا درجہ کے لحاظ سے بھی فایق نہ تھا۔ جس فوقیت یا برتری کا وہ دعوے کر سکتا تھا۔ وہ اس کا

سفید چمڑا تھا۔ اور یا یہ کہ وہ اس قوم میں سے تھا۔ جو خواہ کسی طرح میرے وطن پر قابض ہے۔ اور اس نے ایک قانون بنا رکھا ہے کہ جس انسان کو چاہے کسی جوابدہی کا موقعہ دئے بغیر جیلخانے میں ڈالدے۔ دوسرے دن صبح وہ حسب معمول آیا۔ میں اوپر برآمدے میں کھڑا تھا۔ تاکہ اسکے معمولی سوالات "کیا خبر ہے"؟ "کوئی ضرورت"؟ کا جواب دوں۔ گورہ سارجنٹ اور دوسرے پولیس والوں نے سلام کو ہاتھ اُٹھایا ہی تھا۔ کہ وہ غصہ کے لہجہ میں چلا کر مجھ سے کہنے لگا۔ کہ "آپ کو سوال جواب کرنیکا کوئی حق نہیں ہے اور میں کوئی جرح سُننا نہیں چاہتا"۔ اور آپ کو کوئی گستاخانہ سوال نہیں کرنا چاہیئے"۔ میں نے جواب دیا۔ کہ میں نے نہ تو کوئی گستاخانہ سوال پُوچھا ہے۔ نہ کوئی جرح قدح کی ہے اس لئے اظہار غضب کی کوئی وجہ اور کوئی موقعہ نہیں۔ لیکن اس نے اس پر پہلے سے بھی زیادہ تُرش و تلخ لہجہ اختیار کر لیا۔ اور کچکچا کر چلایا۔ کہ میں بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اور آیندہ ایسا مت کرو۔ یہ کہتے ہی وہ چلدیا۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں :-

"جب میں کوئی سوال پوچھوں تو تم کوئی سوال مت کرو۔ مجھ سے ایسے گستاخانہ سوال مت دریافت کرو۔ میں کوئی جرح سُننا نہیں چاہتا"۔ پھر کہا میں کسی بات کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتا۔ آیندہ ایسا مت کرو"۔ اس کے جانے کے فوراً ہی بعد میں نے اس کے الفاظ قلمبند کر لئے۔ اس سے مجھے واقعی بڑا رنج ہوا۔ اور اگر ہفتہ کے اندر اندر ہی میں رہا نہ ہو جاتا تو میں نے سپرنٹنڈنٹ کی بدسلوکی کے متعلق گورنمنٹ کو مطلع کرنے کا مصمم

ارادہ کر لیا تھا۔

اب اس امر کے متعلق چند واقعات درج کیے جاتے ہیں کہ زمانہ اسیری میں سپرنٹنڈنٹ نے میری غور پرداخت میں کس قسم کی اور کیسی زحمت اور تکلیف گوارا کی۔ ۳ر اگست کو صبح ہی میں نے سپرنٹنڈنٹ کو لکھا کہ مجھے قبض کی شکایت ہے۔ اس لئے کوئی دست آور دوائی دی جانی چاہیے دو دن تک تو جواب ہی نہ ملا اور تیسرے دن جواب ملا بھی تو یہ کہ مائزل واٹر (خاص چشموں کا بوتلوں میں بند پانی) استعمال کیا جائے۔ جولائی کے آخری دنوں میں مجھے آنکھوں کی تکلیف ہو گئی۔ سپرنٹنڈنٹ کی اجازت سے میں نے عزیز پیارے لال کو لکھا۔ کہ لاہور سے میری عینک کے شیشے بھیجدے۔ خیال تھا کہ عینک تبدیل کرنے سے شاید تکلیف دور ہو جائے۔ ۱۷ر اگست کو دو جوڑہ عینک کے شیشوں کا ایک پارسل مل گیا۔ مگر عینکوں کی تبدیلی سے کوئی فایدہ نہ ہوا۔ سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے وعدہ کیا۔ کہ وہ میری آنکھوں کا امتحان کر کے عینک تجویز کریگا۔ لیکن ۱۲ر اکتوبر تک امتحان نہ ہو سکا۔ اس دن سپرنٹنڈنٹ مجھے صدر ہسپتال لیگیا اور وہاں قریباً ایک گھنٹہ تک میری آنکھوں کا امتحان کرنے کے بعد نئے شیشے تجویز کئے۔ اس خیال سے کہ عینک کی نئی کمانی بنانے کا خرچ بچ رہے میں نے سپرنٹنڈنٹ سے کہا کہ نئے شیشے پرانے فریم میں لگا دیئے جائیں۔ اس پر اس نے ایک پہلی عینک مجھ سے لے لی۔ ۲۳ کو مجھے کہا گیا کہ معاملہ پیچیدہ ہے۔ پہلے امتحان سے اطمینان نہیں۔ اس لئے دوبارہ امتحان کیا جائیگا۔ لیکن یہ امتحان بعد میں کبھی نہ ہوا اور نہ ہی مجھے میری عینک واپس ملی۔

ار اگست کو میرے پانوں پر ایک پھنسی ہو گئی - بوٹ پہنکر چلنا پھرنا مشکل ہو گیا - ۳ ر اگست کو سپرنٹنڈنٹ صبح حسب معمول آیا - اور نیچے سے ہی پکار کر میری خیر عافیت دریافت کی - میں نے نیچے آکر وہ پھنسی دکھلائی - اور وہ یہ کہہ کر چلا گیا - کہ تھوڑی دیر تک پھنسی کے لئے ایک پھاہا بھیج دیتا ہوں - اسوقت وہ غالباً صدر ہسپتال کو جا رہا تھا - بعد دوپہر میں نے چٹھی کے ذریعے یاد دہانی کرائی مگر کوئی جواب نہ ملا - دوسرے دن میں نے صبح ہی اسکو اس خیال سے کہلا بھیجا کہ وہ شہر کو جانے سے پیشتر ہسپتال میں پھاہا بھجوانے کے لئے حکم دیتا جائے - بعد میں جسوقت وہ آیا - اس نے غصہ کی آواز میں کہا - اگر آپ کو فوراً ہی کوئی چیز نہ مل سکے - تو گھبرا نہ جایا کریں - کیونکہ مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں یہ وجہ تھی کہ میں بہت کم خواہشوں کا اظہار کیا کرتا - صرف یہی ایک ایسا شخص تھا - کہ جس سے میں اپنی ضرورتیں کہہ سکتا تھا - میری ضروریات کی بہم رسانی اور میری صحت کی نگہداشت اسی کے سپرد تھی - اس لئے وہ روزانہ آکر دریافت کیا کرتا - کہ میں خیریت سے تو ہوں اور مجھے کوئی ضرورت تو نہیں - اگر خیر و عافیت کے متعلق اثبات میں اور ضرورت کے متعلق نفی میں جواب دیا جاتا تو خیریت رہتی لیکن اس کے برعکس جواب دینے سے صورت کچھ اور ہی ہو جاتی - اگر میں کوئی کھانے کی چیز مانگتا - تو وہ نوکر سے کہنے کو کہہ دیتا - اور نوکر کو اگر پانچ دفعہ پانچ چیزوں کے لئے کہا جاتا - تو وہ بمشکل پانچ میں سے ایک مہیا کرتا - اگر پہننے کی کوئی چیز مانگتا - تو اس کا بھی وہی حال تھا - اگر میں دوائی طلب کرتا

تو مجھے کہا جاتا کہ گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اگر میں کوئی بات دریافت کرنا چاہتا، تو مجھے کہا جاتا۔ کہ گستاخانہ سوال مت پوچھو۔ لیکن باوجود ان ساری باتوں کے میں ایشور کا دھنباد کرتا تھا۔ کہ اس نے مجھے سپرنٹنڈنٹ سے بھی بدمزاج انسان کے زیرِ حکم رہنے کا موقعہ نہیں دیا۔ کیونکہ میں درحقیقت اسکو بُرا آدمی نہیں سمجھتا تھا۔ بظاہر حال اسکو میری صحت کی بڑی فکر رہتی تھی۔ اور وہ زور دیا کرتا تھا۔ کہ سیر لمبی کرنا چاہیئے۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ مجھے بُرا کھانا دیا جا سکے۔ یا جو میری طبیعت کو پسند ہو وہ نہ دیا جائے۔ لیکن اس کے متعلق نگرانی یا انتظام کرنے کی اسکو فرصت نہ تھی۔ بظاہر سول سرجن مانڈلے جیسے شہر میں کام کرتے ہوئے سپرنٹنڈنٹ جیل کے فرائض بھی اسکو انجام دینے پڑتے تھے۔ اور یہ دونوں کام اس کی ہمت اور وقت سے بڑھ کر تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اسیرانِ سلطانی کی نگہداشت کے لئے بھی اسکو کچھ ملتا تھا یا نہیں۔ لیکن اگر کچھ نہیں ملتا تھا۔ تو یہ اس کے لئے ایک مزید تکلیف کا باعث تھا۔ کہ جس کو وہ قدرتاً ناپسند کرتا ہوگا۔ اسیرانِ سلطانی کے متعلق رازداری لازمی تھی۔ اس لئے وہ اپنے کام میں کسی سے مدد بھی نہیں لے سکتا تھا۔ لیکن اس کے غصیل اور بدمزاج ہونے کی وجہ میرے خیال میں یہ تھی۔ کہ وہ جیل کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔ اور اس حیثیت میں اسکو ہزاروں قیدیوں پر وسیع اختیارات حاصل تھے۔ اور قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں کسی خوش اخلاقی کی ضرورت نہ تھی۔ قیدیوں کی ضروریات بہم پہنچانے کے متعلق اس کے تجربہ کی بنیاد جیل کے معمولی قیدیوں پر تھی۔ اس لئے کسی قیدی کا برف۔ ہیمنڈ اور پھل وغیرہ مانگنا

CCO, Gurukul Kangri Collection, Haridwar, Digitized by eGangotri

اسکا غیر معمولی معلوم ہوتا تھا۔ اسی طرح کسی قیدی کا اس کے اختیارات پر
حرف گیری کرنے کی جرأت کرنا یا کوئی واقفیت حاصل کرنے کی دلیری کرنا
اس کے لئے تعجب خیز اور غیر معمولی بات تھی۔ جب اس نے یہ کہا کہ اسکا
"بندوبست" کسی طرح ناقص نہیں ہو سکتا۔ تو وہ ایک اینگلو انڈین افسر
کے دلی جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ ایک انگریز عہدیدار اگر ہندوستان میں
ہمہ دان اور عقل کل نہ مانا جاتا ہو تو وہ کچھ بھی نہیں۔ اسکی دانشمندی پر
شک کرنا یا کسی ہندوستانی کا خواہ وہ کسی حیثیت کا اور کیسا ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ
کیوں نہ ہو اسکے انتظام میں نقص نکالنا انتہائی درجہ کی گستاخی میں داخل
ہے۔ دوسرے اینگلو انڈین حکام کی طرح یہ کپتان ڈاکٹر سپرنٹنڈنٹ جیل بھی
اپنے "بندوبست" کے بے نقص ہونے پر بڑا نازاں تھا۔ میں یہ ذکر کر چکا
ہوں کہ اپنے بندوبست میں دخل دینے پر اس نے گورہ سارجنٹ کو کس
طرح آڑے ہاتھوں لیا۔ اور وہ دخل اندازی صرف یہ تھی۔ کہ اس نے
بدقسمتی سے مجھے یہ کہہ دیا تھا۔ کہ مانڈلے کے بازار سے مختلف قسم کی
سبزی ترکاری مل سکتی ہے اور میں نے اس سے کہا تھا۔ کہ اگر نوکر
سبزی کی عدم موجودگی ظاہر کرتا ہو تو وہ جھوٹ کہتا ہے۔ سب پہ طرہ یہ کہ وہ
پولیٹیکل خیالات کے لحاظ سے انتہا پسند عہدہ جو فریق سے تھا۔ اور اینگلو انڈین
اخبارات میری نسبت جو غلط بیانیاں اور جھوٹ شائع کر رہے تھے وہ غالباً
انہیں سچا مانتا تھا۔ شروع شروع میں اسکو میرے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔
مگر آہستہ آہستہ اینگلو انڈین اخبارات کی من گھڑت کہانیوں نے اس کے
دل کو میرے خلاف زہریلا بنانا شروع کیا۔ ایسے حالات میں ہندوستانی

محب وطن کی جو کسی نہ کسی طریقہ سے مطلق العنان فرمانرواؤں کے اعمال
پر نکتہ چینی اور حرف گیری کرتا ہے سخت بدبختی ہوتی ہے یہی فرمانروا
جماعت کہ جس کے افعال پر اس نے نکتہ چینی کی ہوتی ہے اور جس کی
غلطیاں اور نقص اس نے ظاہر کئے ہوتے ہیں اس کی قسمت کا فیصلہ
کرنے کو جج ہوتی ہے۔ وہی مطلق العنان حکام اور عہدیدار فیصلہ
دیتے ہیں اور وہی قانون کی تعمیل کرنے پر تعینات ہوتے ہیں۔ وہی اس
کی نگرانی کا انتظام کرتے ہیں اور زمانہ قید میں اسکو انہیں کے رحم پر
دن کاٹنے پڑتے ہیں۔ اس لیئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کہ اسکو نسلی
تعصبات اور نفرت کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ تعجب ہے تو یہ کہ وہ زیادہ
مصائب میں نہیں ڈالا جاتا۔ انگریزوں میں یہ انصاف پسندی کی محبت کا
اعلیٰ ثبوت ہے گو یا کچھ تعداد خواہ وہ کتنی ہی محدود ہے۔ اینگلو انڈین
حکام میں ایسے نیک سرشت اصحاب کی بھی موجود ہے۔ کہ جو اپنے حواس پر
تعصبات نسلی کا غلبہ نہیں ہونے دیتے اور نسلی تعصبات سے بالاتر ہو
انصاف کا دامن چھوڑنا کبھی پسند نہیں کرتی۔

میں ابھی سپرنٹنڈنٹ کے پولیٹیکل خیالات کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ خیالات
میں نے اسکے ساتھ چند بار گفتگو کرنے سے معلوم کئے تھے۔ ۴ جولائی
کو وہ دیر تک میرے ساتھ بات چیت کرتا رہا۔ اس نے کہا "انگریزوں
کی کامیابی کا راز یہ ہے۔ کہ ہر ایک انگریز اپنے آپ کو باقی دوسری قوموں
سے فائق تر خیال کرتا ہے"۔ اس کے خیال میں انگریزوں کا زوال
اُسوقت شروع ہوگا۔ کہ جب اس عقیدہ میں کمزوری آنے لگیگی یا

کے اپنے الفاظ تھے۔ "یہ سچ ہے کہ انگریز خوش اخلاق نہیں۔ لیکن یہی وجہ
ہے کہ انہوں نے ایسی اعلیٰ کامیابی حاصل کی ہے" اسکو پکا وشواس تھا۔
کہ سیکسن اور ٹیوٹن اقوام پیدا ہی حکمرانی کے لئے ہوئے ہیں۔ اور ساری
دنیا ان کے قدموں تلے ہے۔ جب جاپانی کامیابیوں کا اشارہ کیا گیا
تو جاپانیوں میں اس نے حکمرانی کی صفت تو پس وپیش کر کے قبول کی۔
مگر ساتھ ہی ظاہر کیا۔ کہ یہ صفت خاص مزید ترقی نہ کریگی۔ سوائے انگریزوں
جرمنوں۔ امریکن اور جاپانیوں کے وہ اور کسی قوم میں فرمانروائی کی قابلیت
اور اہلیت ہی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ مثال کے طور پر اس نے کہا کہ اہل برہما
بڑے ہی خوش خلق ہیں مگر اسپر بھی وہ بحیثیت ایک قوم کے بالکل ناکامیاب
ہیں۔ اہل ہند کو وہ سخت حقارت کے ساتھ یاد کرتا تھا۔ اسکی رائے
میں ہندوستانیوں کی نسبت برہما والوں میں مردانہ خصایل زیادہ ہیں کیونکہ
ہندوستانی اپنے افسروں کے سامنے زیادہ مسکین اور غریب مزاج
ہوتا ہے۔ صبغۂ ڈاکٹری میں موجودہ ہندوستانیوں کا ذکر وہ ناک بھوں
چڑھا کر کیا کرتا۔ وہ کہتا تھا کہ جو لوگ اپنے طریقے اور اطوار ترک کر کے
دوسروں کے اختیار کرتے ہیں۔ وہ انہیں پسند نہیں کرتا۔ میں اس
کی کئی باتوں سے اختلاف کرتا۔ اور آخر یہ کہہ کر گفتگو کا خاتمہ کر دیتا
کہ کامیابی سا کامیاب اور کوئی نہیں۔ چونکہ تم کامیاب ہو چکے ہو۔ اس
لئے دوسروں کی نسبت جو چاہو۔ کہو۔ ایک دفعہ وہ میرے انگلینڈ جانے کا
ذکر چھیڑ بیٹھا۔ اور ان لوگوں کے نام پوچھے کہ جن سے میں دوران
قیام انگلینڈ میں ملا تھا۔ میں نے مسٹر لیونارڈ کورٹنی کا نام لیا تو ناک چڑھا کر

بولا کہ اسکو تو انگلنڈ میں کوئی جانتا تک نہیں - مسٹر سٹیڈ (ایڈیٹر ریویو آف ریویوز) اور مسٹر بوشر (ایڈیٹر اخبار ٹروتھ) کا ذکر بھی نہایت حقارت سے کیا - اس کی رائے میں مسٹر سٹیڈ اپنی نسل کے حق میں کلنک ہے" - پیارے لال نے دو دفعہ ریویو آف ریویوز بھیجا - ایک دفعہ تو اُس نے مجھے دیدیا - لیکن دوسری دفعہ مندرجہ بالا ریمارک کے ساتھ مجھے رسالہ دینے سے انکار کر دیا - اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا - کہ میرا مسٹر سٹیڈ کے پولیٹیکل خیالات پڑھنا اسکو پسند نہیں - شاید وہ خیال کرتا تھا - کہ میں اپنے پولیٹکل خیالات کی توضیع کر رہا ہوں اور وہ نہیں چاہتا کہ مسٹر سٹیڈ کے پولیٹکل خیالات کا زہر میرے دل پر کوئی اثر پیدا کرے - پیارے لال کے بھیجے ہوئے چند نمبر رسالہ فورٹ نائیٹلی کے اس نے مجھے دیئے - ایک نمبر میں اینگلو انڈین نکتہ خیال سے ہندوستان کی بےچینی کے متعلق ایک مضمون تھا - میں نے رسالہ کھولتے ہی دیکھا - کہ اس مضمون پر سپرنٹنڈنٹ نے میری خاطر نشان لگایا ہُوا ہے - مجھے جلدی ہی معلوم ہو گیا - کہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے متعلق اس کی واقفیت بالکل معمولی ہے - بحالات موجودہ جو سلوک اس کی طرف سے میرے ساتھ ہُوا اس سے زیادہ اچھے سلوک کی اُمید نہیں ہو سکتی تھی - اور جو کچھ ہُوا - اس کے لئے میں اسکا مشکور ہوں

مجھے وشواس ہے کہ اس نے اعلےٰ حکام کے پاس سفارش کی تھی - کہ قلعہ سے باہر میرے سیر کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے - اور اخبار دل اور پنجابی ملازم کے لئے بھی لکھا ہو گا - مگر اعلیٰ افسران سفارشوں کو منظور نہ کر سکے - روپیہ پیسہ خرچ کرنے میں وہ گورنمنٹ کا بڑا خیر خواہ

معلوم ہوتا تھا - جہاں تک ممکن ہو سکے وہ میرے لئے کم سے کم خرچ کرنا چاہتا تھا - پہلے پہل اس نے مجھ سے کپڑوں کی قیمت لینا چاہی - پھر کچھ عرصہ تک حجام کو تنخواہ دینے سے گریز کیا - وہ مجھے برف منگوا کر نہیں دینا چاہتا تھا - میرے خیال میں جو رقم میرے لئے مقرر ہو چکی تھی - وہ ساری کی ساری خرچ نہیں کرتا تھا - برتن یا کوئی سامان خرید کرنے پر روپیہ خرچ کرنے کے وہ سخت مخالف تھا - اور چاہتا تھا - کہ جو رقم وہ مقرر کر دے - اس کے اندر ہی اندر سارا خرچ ہونا چاہیئے -

ایک دفعہ جب موسم سرما کے کپڑوں کا ذکر ہو رہا تھا - اس نے افسوس ظاہر کیا کہ ماہواری اخراجات کا تخمینہ لگاتے ہیں اس نے موسم سرما کے کپڑوں کا خرچ مدنظر نہیں رکھا - لیکن وہ اس مشتبہ خرچ کو کئی مہینوں پر تقسیم کر کے اور جمع کرنے کے قابل ہو سکیگا - جو کپڑے اس نے میرے پہنچنے کے چند روز بعد بنوا دیئے - ان کے سوا اسکو میرے کپڑوں پر کوئی خرچ نہیں کرنا پڑا - کیونکہ میرے کپڑے گھر سے پہنچ گئے تھے - اگر کسی چیز کی ضرورت ہوتی تھی تو میں اپنے روپیہ سے منگوا لیا کرتا تھا - میری واپسی سے قریباً دو ہفتے پیشتر اس نے گرم کپڑوں کی تیاری کے لئے حکم دیا تھا - مگر جب اسکو میری رہائی کے متعلق خبر ہوئی تو اس نے تیاری پارچات کے متعلق اپنا حکم منسوخ کر دیا - اور جو کچھ تیار ہو چکا تھا - اس کے لئے مجھے دام ادا کرنیکو کہا - نہ صرف چٹھیوں بلکہ کتابوں اور رسالوں کے پارسلوں کا محصول ڈاک بھی جو گھر سے یا دیگر مقامات سے آتے تھے اور جو واپس بھیجے جاتے تھے مجھے ہی دینا پڑتا تھا - کیونکہ سپرنٹنڈنٹ کی رائے میں گورنمنٹ

ایسے خرچ کی ذمہ دار نہ تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک اینگلو انڈین عہدیدار رعیت کا روپیہ خرچ کرنے میں ایسا ہی محتاط ہو۔ اگرچہ کپتان نے زمانہ اسیری میں اپنی کفایت شعاری کی غرض کبھی یہ ظاہر نہیں کی۔ ایک دفعہ مستقل سپرنٹنڈنٹ کی دو دن کی عارضی غیر حاضری پر ایک اور ڈاکٹر آر۔ اے ایم۔ سی میجر مجھے دیکھنے کو آتے رہے۔ ان کے بیباک سلوک اور خوش اطواری نے میرے دل پر گہرا اثر چھوڑا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہر موقعہ پر اعلےٰ شرافت کا کامل نمونہ تھا۔

ڈپٹی کمشنر

ڈپٹی کمشنر ماہ میں ایک بار مجھے دیکھنے آیا کرتا تھا۔ ریگولیشن نمبر ۳ ۱۸۱۸ء میں کہ جس کی رُو سے مجھے گرفتار کر کے جلاوطن کیا گیا یہ ہدایت ہے کہ جج یا مجسٹریٹ ضلع کو لازم ہے کہ وہ مہینے میں ایک بار اسیران سلطانی کو دیکھے۔ پہلی دفعہ جب وہ ملنے آیا۔ تو بڑی نرمی اور مہربانی سے گفتگو کی۔ کتابیں بھجوانے کا وعدہ کیا۔ اور وہ وعدہ پورا بھی کیا۔ تھوڑی دیر تک میرے ساتھ بات چیت کرتا رہا۔ لیکن اس کے بعد اسکا آنا بالکل معمولی تھا۔ وہ آکر صرف میری صحت کے متعلق دریافت کرتا اور پوچھتا کہ کسی قسم کی شکایت تو نہیں۔ کسی یوروپین کے خلاف دوسرے یوروپین کے پاس کسی ہندوستانی کے شکایت کرنے کو میں لاحاصل سمجھتا ہوں کیونکہ اگر کوئی جھگڑا ہو تو یوروپین کے مقابلے میں ہندوستانی کے الفاظ کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر شکایت کا کوئی اثر نہ ہو۔ تو شکایت کرنیوالے کو یوروپین افسر کے ہاتھوں سے کہ جس کی شکایت کی گئی ہو۔

زیادہ تکالیف کا احتمال ہو سکتا ہے۔ ہر ایک انگریز کی نسبت ہندوستان میں قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ بے نقص اور منزہ من الخطا ہے۔ اس لئے مَیں نے کبھی کوئی شکایت نہ کی۔ آخری دفعہ ڈپٹی کمشنر ۵ اکتوبر کو آیا۔ اور حسب معمول میری صحت کے متعلق دریافت کیا۔ اُن دنوں مجھے سردرد کی شکایت تھی۔ سول سرجن کی رائے تھی۔ کہ یہ درد غالباً ملیریا کی وجہ سے ہے۔ اس لئے وہ مجھے کونین دے رہا تھا۔ صاحب کے استفسار پر مَیں نے جواب دیا۔ کہ یُوں تو اچھا ہوں مگر ملیریا کی وجہ سے سردرد کی شکایت ہے۔ ابھی میرے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے۔ کہ اس کے تیور بدل گئے۔ اس کے خیال میں مَیں گویا حکام مانڈلے کے "بندوبست" میں ایک نقص پکڑ رہا تھا۔ اس نے ایسی طرز اختیار کرکے کہ گویا اسکو میرے کہنے پر اعتبار نہیں۔ دو دفعہ کہا "ہیں! کیا ملیریا؟" مَیں نے کہا۔ ڈاکٹر ایسا ہی کہتا ہے۔ اس پر بھی اس کی تسلی نہ ہوئی اور مجھے کہنا پڑا کہ مَیں نے شکایت کی غرض سے نہیں بلکہ معمولی طور پر درد کا ذکر کیا ہے۔ یہ سُنکر اُس نے کہا "آہا۔ تو پھر یہ دوسری بات ہے" اس سے مجھے اپنے اس ارادے کی معقولیت معلوم ہو گئی۔ کہ کوئی شکایت نہیں کرنی چاہیئے۔ اگرچہ ڈپٹی کمشنر کے آنے کی غرض یہی تھی۔ کہ وہ میری شکایات کا پتہ لگائے اور مجھ سے دریافت کرے اور قبل ازیں ایک دفعہ اس نے مجھے یقین بھی دلایا تھا۔ کہ اگر کوئی شکایت ہو تو وہ سُن کر خوش ہوگا۔ اور اگر شکایت معقول ہوئی تو گورنمنٹ کے گوشگذار کرنے میں تامل نہ کریگا۔

سپرنٹنڈنٹ پولیس

سپرنٹنڈنٹ پولیس اور اس کے ماتحت افسر بھی کبھی کبھی دیکھنے آتے اور دریافت کرتے کہ کوئی شکایت تو نہیں۔

عموماً خوش خلقی سے پیش آتے - اگرچہ بلا وجہ انہیں شک و شبہ قابو کر رکھا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس اپنے ماتحتوں کی حرکات و سکنات کا بہت خیال رکھتا تھا۔ پہرے کے سپاہی بعد غروب آفتاب جا سکتے تھے۔ ماتحت پولیس افسر اس عمل کو قابل اعتراض اور غیر ضروری خیال کرتے تھے۔ کنسٹبل اس سے بہت خوف کھاتے تھے۔ ان کا بڑا کام روزانہ والے افسروں کا خیال رکھنا ہوتا تھا۔ اور اس بات کی کچھ پرواہ ہوتی تھی۔ کہ قیدی اندر ہے یا باہر۔

ایک دن سپرنٹنڈنٹ پولیس مجھ سے پوچھنے لگے۔ کہ آپ کے پاس کس قدر روپیہ ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ کا بیٹا آپ کی رہائی کے لئے چار لاکھ روپیہ خرچ کرنے پر آمادہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو حراست سے بھگا لیجانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ یہ سُنکر میں ضبط نہ کر سکا اور کہا۔ کہ جو کچھ میری دولت کی نسبت رپورٹ ملی ہے کاش کہ وہ شمہ بھر بھی صحیح ہوتی۔ میں نے یہ بھی کہا۔ کہ اگر اس سے دوگنی رقم بھی اس دولت کے لئے پیش کی جائے۔ کہ جو میں چھوڑ آیا ہوں تو میں اپنے لڑکوں کو اس کے قبول کرنے کی صلاح دینے پر آمادہ ہوں۔ اس پر سپرنٹنڈنٹ صاحب کہنے لگے۔ کہ غالباً یہ کہانی بے بنیاد ہے۔ ایک دفعہ وہ میرے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے لگے۔ اور کہا کہ یہ قسمت

لکھا تھا۔ انہوں نے بہ مشکل اپنا فقرہ ختم کیا تھا۔ کہ میں نے معاً جواب دیا۔ میں قسمت کا قایل نہیں۔ بلکہ کرم کو مانتا ہوں۔ اور میری تسلی کے لئے یہی کافی ہے۔ کہ میں کرم انوسار کرم کر رہا ہوں۔ انہوں نے مجھ سے کئی بار کہا۔ کہ سامان آسایش زیادہ طلب کرنا چاہیئے۔ لیکن میں نے اس پر عمل نہ کیا۔ کیونکہ میں نے سادہ سے سادہ طریق پر رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اس کا شکر گذار ہوں کہ وہ جب مجھے ملنے آئے۔ کشندہ پیشانی سے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اور یورپین انسپکٹر پولیس کی نسبت بھی جو مجھے اکثر دیکھنے آیا کرتے تھے۔ میں یہی کہہ سکتا ہوں۔

یورپین سارجنٹ

چھ مہینے کے قیام مانڈلے کے دوران میں مجھے قریباً درجن بھر گورہ سارجنٹوں سے سابقہ پڑا یہ دو کے سوا جو جوان اور تیس تیس سال کے تھے قریباً سارے کے سارے پنشن یافتہ فوجی تھے۔ یہ دونوں اسیرانِ سلطانی کی نگرانی کے لئے پولیس سے منگوائے گئے تھے۔ ان میں سے ایک کی نسبت سُنا گیا۔ کہ وہ سردار اجیت سنگھ کو خاص خوردنی اشیا طلب کرنے کا مشورہ دینے اور اپنے افسران اعلیٰ کی دیانتداری پر شبہ ظاہر کرنے کی وجہ سے واپس بھیج دیا گیا۔ دیگر سارجنٹوں پر نکتہ چینی کرنے سے جو اس نے سب کو اپنا مخالف بنا لیا تھا۔ اس لئے سارجنٹوں میں سے ایک نے اس کی شکایت کر کے بدلہ لے لیا۔ اور اسکو علیحدہ ہونا پڑا۔ دوسرے کو اس لئے واپس بھیجا گیا۔ کہ اس نے ایک دوسرے سارجنٹ کی شراب خوری کے متعلق جھوٹی رپورٹ کی تھی۔ یہ بڑا ہی شیخی باز اور اپنی

جیثیت پر مغرور تھا۔ اس کے اطوار بڑے ہی رنجدہ اور اس کی نیت بڑی
ہی مفسدانہ تھی۔ اس نے سیر کی حالت میں مجھ سے ایک دو دفعہ دریافت
کرنا چاہا۔ کہ گرفتاری کے بعد جو کچھ ہندوستان میں ہو رہا ہے اس سے
مجھے آگاہی ہے یا نہیں۔ وہ مجھے جتلانا چاہتا تھا۔ کہ اس کا تعلق بہت
دُور تک ہے۔ اور اعلیٰ افسروں تک اس کی رسائی ہے۔ اور پنجاب
سے براہ راست اس کے پاس خبریں پہنچتی رہتی ہیں۔ وہ کبھی کبھی کچھ
واقفیت ظاہر کرتا۔ تاکہ میں بھی کچھ بولوں۔ وہ میری بہتری کے لئے بڑا فکر
ظاہر کیا کرتا۔ اور کہتا کہ یہ تنہائی اور قید کی زندگی سخت مصیبت ہے۔ اور
کہ میری حیثیت کے کئی انسان خودکشی کر کے ایسی زندگانی کا خاتمہ کر
دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ چلنا مجھے اتنا ناگوار تھا۔ کہ میں اسکا ہمراہ
ہونا بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ جب وہ ڈیوٹی پر ہوتا تو میں سیر کو جانا ملتوی
کر دیتا۔ جب میں سیر کو جانے سے انکار کرتا۔ تو وہ اس واقعہ کو اپنی
ڈائری میں درج کر لیتا۔ میں اگر اسکو ناپسند کرتا تھا۔ تو دوسرے
سارجنٹ اس سے نفرت کرتے تھے۔ اس نے ملازم ہوتے وقت
ظاہر کیا تھا۔ کہ وہ کہیں مدراس میں پیدا ہوا تھا۔ بعد میں اس نے اپنے
اس بیان کی تردید کی اور ظاہر کیا۔ کہ وہ انگریز ہے۔ اس نے مجھ سے
کہا۔ کہ پہلے اس نے ارادتاً جھوٹ بولا تھا۔ وہ کہہ کرتا تھا۔ کہ کوئی انسان
بھی بالکل سچ نہیں بول سکتا۔ میں جواب دیتا۔ کہ وہ محکمہ پولیس کے لئے
بالکل موزون ہے۔ اور یہ محکمہ بالکل اس کے گُن کا ہے۔ دوسرے
سارجنٹوں کو یقین تھا۔ کہ وہ دغاباز ہے اور اسی لئے اس سے نفرت کرتے

تھے۔ وہ دوسرے سارجنٹوں سے حقارت کرتا اور کہتا کہ بڑے بڑے
افسروں سے اسکا تعلق ہے۔ اور وہ بہت جلدی ترقی پا جائیگا۔ اسکو
اپنی قابلیت کا بڑا گھمنڈ تھا۔ اور وہ وقتاً فوقتاً اپنی علمیت اور قابلیت
کا فخریہ ذکر اذکار کیا کرتا۔ ان باتوں سے وہ دوسرے سارجنٹو ل
کی نظروں میں خار سا کھٹکتا تھا۔ اور وہ اُسکو تنگ کرکے خوش ہوتے
تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو ہی ماہ کے اندر اسکو پولیس کے محکمہ سے اپنا
بوریا بستر سمبھال کر لمبا ہونا پڑا۔ جو الزام اس نے دوسرے سارجنٹ
پر لگایا تھا۔ وہ بالکل جھوٹا تھا۔ اس لئے جو سزا اسکو دیگئی وہ ہر طرح
اسکا مستوجب تھا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ یورپین سارجنٹ کا عہدہ برما پولیس
میں برائے نام ہے۔ اگرچہ وہ سب انسپکٹر سے اعلیٰ مانا جاتا ہے اور
اسکو پچیس سے پچاس روپیہ ماہوار کرایہ مکان کے علاوہ سو روپیہ ماہوار
تنخواہ ملتی ہے۔ اور وردی اور بوٹ وغیرہ کے لئے ایک سالانہ رقم جدا
دی جاتی ہے۔ حالانکہ سب انسپکٹروں کو یہ رعائتیں حاصل نہیں۔
سب انسپکٹر عموماً ہندوستانی یا برمی ہیں۔ یورپین سارجنٹ عموماً انگریزی
فوج کے پنشن یافتہ سپاہی ہوتے ہیں۔ یورپین سارجنٹ کی تنخواہ
سو روپیہ سے شروع ہوتی ہے۔ حالانکہ سب انسپکٹر بمشکل اس
تنخواہ تک پہنچتے ہیں۔ مگر اس پر بھی یورپین سارجنٹ اپنی تنخواہ بہت
کم خیال کرتے ہیں۔

دوسرے یورپین سارجنٹ جو میری نگرانی کے لئے مقرر ہوتے تھے۔

بالعموم معقول آدمی تھے اور ان کا سلوک قابل شکایت نہ تھا۔ عام طور پر وہ اخلاق سے پیش آتے تھے۔ گو میرے جیسے آدمی کو ان گورہ فوجیوں کی معیت میں کوئی لطف نہ ملتا تھا۔ اپنی زبان پر انہیں توجہ نہ تھی۔ ان میں سے صرف ایک کو کسی قدر علمی مذاق تھا۔ وہ ناولوں کا بڑا مشتاق تھا۔ اور مجھ سے اکثر کتابوں کا تبادلہ کر لیا کرتا تھا۔ میرا خیال تھا۔ کہ وہ محکمہ پولیس کے قابل نہیں۔ اپنے کام میں بالکل اس کی توجہ نہ ہوتی تھی۔ اور تھوڑی سی بات پر وہ جوش میں آ کر جامے سے باہر ہو جاتا تھا۔ ماتحت کنسٹبلوں کے ساتھ وہ بڑی سختی سے پیش آتا تھا۔ ان یوروپین سارجنٹوں میں سے کئی کے ہاں یوریشین بیویاں تھیں۔ لیکن نسل کے لحاظ سے ان کے دلوں میں ان کی طرف سے سخت نفرت موجود تھی۔ اور وہ انہیں "دوغلی" کہہ کر پکارتے اور اس طرح ستانے اور حقیر کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے خالی نہ جانے دیتے تھے۔ گو اپنی گھروالی کو اس سلوک سے ہر ایک کو مستثنیٰ کرتا پڑتا تھا۔ ایک رنڈوا یوروپین سارجنٹ ایک دوسرے سارجنٹ کی کہ جس نے ایک یوریشین عورت سے شادی کی ہوئی تھی بہت ہنسی اڑایا کرتا تھا کہ اس کی تنخواہ ماہانہ ۱۲۵ روپیہ مع کرایہ مکان ہے۔ اس کو بیوی۔ ساس اور تین بچوں کا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ شرابی ہونے کے لحاظ سے اسکو ایک بوتل وسکی اور دو بوتل بیئر شراب روزانہ درکار ہے۔ اور اس حساب سے صرف شراب کا خرچ سو روپیہ ماہوار سے زیادہ ہے۔ اور عورتوں کو بھی شراب پینا ضروری ہے۔ علاوہ بریں ایک خانساماں۔ ایک خاکروب۔ ایک آیا۔ ایک خدمتگار چھوکرا۔ اور ایک دھوبی

لیڈی صاحبہ کی خدمت کے لئے ضروری ہیں۔ لیڈیوں کو سیر بھی جانا چاہیئے
اور گاہے گاہے دعوتیں دینا بھی لازم ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ان حالات
میں دُنیا کے پردے پر دیانتدار رہنا کتنا مشکل ہے۔ لیکن لطف یہ
ہے۔ کہ وہ پھر بھی دیانتدار مانا جاتا ہے۔ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ ایک یوریشین
عورت کی نسبت وہ ایک خالص ہندوستانی یا برہمی عورت کے ساتھ
شادی کرنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ کیونکہ اسکو یوریشینوں کے ساتھ تعلق
رکھنے کا ناگوار تجربہ حاصل تھا۔ اور اس نے بڑی مشکل سے چھٹکارا
پایا تھا۔ اس لئے جب کبھی ان کا ذکر آتا وہ یوریشین زندگی کا خوب
خوب مضحکہ اُڑایا کرتا۔

جن یورپین سارجنٹوں سے مجھے واسطہ پڑا وہ اپنی ملازمت سے
مطمئن نہ تھے۔ خاصکر اسیران سلطانی کی نگرانی کا کام انہیں سخت ناگوار
تھا۔ اس طرح انہیں چوبیس گھنٹوں تک اسیر سلطانی کے ساتھ خود قید
میں رہنا پڑتا تھا۔ اسی لئے وہ چلنا پھرنا ناپسند کرتے تھے۔ انہیں مجبوراً
ٹھنڈا کھانا کھانا پڑتا تھا۔ جس کام پر وہ لگائے گئے تھے۔ اس میں
نہ تو انہیں کوئی دلی لگاؤ تھا اور نہ ہی اس کے لئے انہیں کچھ مزید مشاہرہ
ملتا تھا اور وہ خیال کرتے تھے کہ انہیں بہت کم تنخواہ ملتی ہے۔ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی کمشنر بہت تھوڑے
کام کے لئے شاہزادوں کی طرح کثیر رقوم حاصل کرتے ہیں۔ یہ
سارجنٹ حالت موجود کا خیال رکھتے تھے۔ اور آئندہ کی انہیں کچھ پرواہ
نہ تھی۔ وہ اچھا کماتے تھے۔ اچھا پہنتے تھے۔ سوائے ایک کے باقی سب
تھوڑی شراب بھی پیا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات زیادہ استعمال کرلیتے

میں بھی کوئی بُرائی خیال نہ کرتے تھے۔ بہرحال ان کے حسن سلوک اور خوش اخلاقی کے لئے میں ان کا ممنون ہوں۔ ان میں سے بعض کا سلوک نہایت قابل تعریف تھا۔ ان میں سے ایک اسوقت بہت ہی بڑا معلوم ہوتا تھا۔ جب وہ بے بنیاد کہانیاں تراش کر مجھے تنگ کرتا۔ میری حالت کا ناظرین اس بناوٹی خبر سے اندازہ لگالیں۔ کہ مسٹر دادابھائی نوروجی فوت ہوگئے ہیں اور راولپنڈی میں ۵۰ ملزموں کو سزا ہوگئی ہے۔ مجھے ان خبروں سے سخت صدمہ ہوا۔ اور کئی دنوں تک اس کا اثر رہا۔ لیکن باوجود اس کے میں مجموعی طور پر سارجنٹوں کی جماعت کا شکرگذار ہوں۔ مجھے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ ایک دوسرے کی بدگوئی اور بے اعتباری کا جہاں تک واسطہ تھا۔ یہ لوگ اسی درجہ کے ہندوستانیوں سے اگر بڑے نہ تھے تو اچھے بھی نہ تھے۔

برہمی سب انسپکٹر اور کنسٹبل

برہمی سب انسپکٹروں اور کنسٹبلوں کے متعلق کہ جو میری نگرانی پر مقرر ہوتے تھے چند الفاظ لکھے بغیر اس باب کو ختم کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ سب انسپکٹر عموماً شریف تھے۔ خصوصاً ایک بہت ہی پسندیدہ اطوار کا انسان تھا۔ انتظامی معاملات میں وہ بہت ہی مفید ثابت ہوتا۔ لیکن اس محکمہ میں اس کی قدر نہ تھی کیونکہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اس کی آزادانہ روش پسند نہ تھی۔ اس کے خلاف بڑا الزام یہ تھا۔ کہ ایک دفعہ اس نے ایک بھاری رقم رشوت میں لی اور سپرنٹنڈنٹ کو حصہ نہ دیا۔ ایک اسّی روپے ماہوار کی سب انسپکٹری سے

تنزل ہوکر ۲۵ روپے ماہوار کا ہیڈ کنسٹبل بنایا گیا تھا۔ کیونکہ اس نے یورپین سارجنٹ کے ساتھ مل کر ایک یورپین افسر کے خلاف شراکخوری کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ یہ شخص ۲۵ سال کا ملازم تھا۔ وہ اس لئے تباہ ہوگیا۔ کہ اپنے بالادست سارجنٹ کے ساتھ سازش کرنے کے خراب اثر سے نہ بچ سکا۔ برہمی کنسٹبل عموماً زندہ دل انسان تھے۔ انہیں کل کی کوئی فکر نہ تھی۔ ان میں سے بعض بڑے میلے اور عموماً دُبلے پتلے تھے برہمی سُست الوجود مشہور ہیں اور انہیں قواعد وضوابط کا پابند رکھنا بڑا مُشکل ہے۔ وہ کھانے بہت ہیں۔ اگرچہ خوراک غریبانہ ہوتی ہے۔ حُقّہ بہت پیتے ہیں اور بغیر دودھ اور میٹھے کے چار کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ وہ آسانی سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اور عام طور پر بڑے ہی حلیم الطبع ہیں۔ ایک دو سارجنٹ ان کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آیا کرتے لیکن وہ عموماً خاموش رہتے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل بھی اکثر ان پر ناراض ہوا کرتا۔ کہ اُنہوں نے اس کا بائیسکل اچھی طرح نہیں پکڑے رکھا۔ اور بائیسکل کا رُخ دوسری طرف کردیا ہے۔ میرے خیال میں دماغی حیثیت سے یہ ہندوستانیوں کے مقابلہ میں بہت گھٹیل ہیں تاہم ان میں سے بعض کافی ہوشیار تھے۔ ایک دو کسی قدر انگریزی بھی جانتے تھے۔ اور ایک ہندوستانی زبان میں اچھی طرح گفتگو کرسکتا تھا۔ ان کا چلن اچھا نہیں تھا۔ اور ان میں سے کئی ایک کے متعلق شرمناک داستانیں سُننے میں آئیں۔ ان کے افلاس پر مجھے بعض اوقات رحم آتا۔ وہ یورپین سارجنٹوں کی پسماندہ خوراک پر کئی دنوں کے بھوکوں کی طرح گرتے۔ بعض سرکاری

ملازمت کا ناجایز فایدہ بھی اُٹھاتے تھے۔ میرے خیال میں یوروپین سپرنٹنڈل سمیت برہما کی پولیس ہندوستانی پولیس کے ہمپلہ ہے۔ سوائے اس کے ان میں کوئی فرق نہیں کہ ہندوستانی پولیس جھوٹی رپورٹیں کرنے ۔ جھوٹی شہادتیں بنانے ۔ جھوٹے اقبال کروانے اور جھوٹی کہانیاں تراشنے میں برہمی پولیس کے اُستاد کا کام دے سکتی ہے۔ جس کام میں ہندوستانی پولیس والے کامل مہارت پیدا کر چکے ہیں۔ برہما پولیس والے اس میں ابھی بالکل مبتدی ہیں۔ ان برہمی پولیس والوں میں بہت سے کنسٹبل وغیرہ سانپ پکڑنے میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ ان کا کثیر حصہ جنوں بھوتوں کا معتقد ہے۔ بعض کی نسبت کہا گیا۔ کہ وہ خاص خاص سڑکوں سے گذرتے یا اندھیرا ہونے کے بعد خاص خاص درختوں کے نیچے جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ ہر ایک برہمی زبان لکھ اور پڑھ سکتا ہے۔ مشکل سے کوئی برہمی ایسا ہوگا۔ جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ ان کی بیویاں ان کا کھانا لایا کرتی تھیں۔ غریبوں کے کھانے میں گوشت شامل نہیں ہو انکو اگر قیمتاً لینی پڑے تو اچھی مچھلی بھی میسر نہیں ہوتی۔ سبزی بھی بہت کم ہوتی ہے۔ سبز پتوں کا شوربا۔ تھوڑی سبزی ملی کڑھی اور اُبلے ہوئے چاولوں کا ایک رکاب ان کی عام خوراک ہے ۔ اس خوراک پر بھی فی آدمی چھ روپیہ مہینہ سے کم خرچ نہیں آتا۔ کئی ایک کے نقش اور چہرے اعلیٰ ذاتوں کے ہندوؤں سے ملتے جُلتے ہیں۔ ان کے قد درمیانہ ہیں مگر گورکھوں کی طرح عام طور پر مضبوط ہیں۔ یہ گورکھوں کی نسبت شکل و شباہت میں آریاؤں سے زیادہ مشابہ ہیں۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے وہ

منشیات سے نا آشنا تھے۔ مگر اب انگریزی تعلق سے ان میں شراب اور افیون کا استعمال رائج ہوگیا ہے۔ اب بھی برہمی کے پاس منشیات کی فروخت ممنوع ہے۔ مگر وہ ایسے وسایل سے ممنوع نشے حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کا روکنا مشکل ہے۔ برہمی عورت ہو یا مرد پوشاک کے لحاظ سے صاف ستھرا ہوگا۔ مرد اور عورتیں دونوں رنگوں کے مشتاق ہیں۔ عورتوں اور جوانوں کا تو کیا ذکر ایک پیر فرتوت بھی ارغوانی رنگ کی پوشاک میں ملبوس دکھائی دیگا۔ مرد اور عورتیں دونوں اپنے بناؤ سنگار اور خصوصاً بالوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ان کی پوشاک بالکل مختصر ہے۔ وہ عموماً کپڑے کا بنا ہوا جوتا پہنتے ہیں۔ مرد سر پر پگڑی کی طرح ایک ریشمی رومال باندھتے ہیں۔ درمیان سے سر ننگا ہوتا ہے۔ عورتیں سروں پر عموماً کوئی کپڑا نہیں لیتیں۔

برہما میں انگریزی حکومت پر عام محاکمہ

عصمت شعاری کے لحاظ سے برہما کی حالت کبھی اچھی نہیں رہی مگر بیرونی لوگوں کے تعلقات سے یہ حالت اور زیادہ بدتر ہو رہی ہے۔ ایک یورپین سارجنٹ نے مجھے بتلایا۔ کہ اس نے ایک نوجوان برہمی عورت کو بطور عورت اور ملازمہ بیس روپے ماہوار پر نوکر رکھا ہوا تھا اور دس ماہ تک رکھ کر پھر اسکو موقوف کر دیا۔ اس قسم کی کئی کہانیاں عام طور پر سُنی جاتی ہیں کچھ عرصہ پہلے یہ قیاس کیا جاتا تھا۔ کہ ہر ایک ادنےٰ افسر سے لیکر

بڑے سے بڑے یورپین عہدیدار کے پاس ایک نہ ایک برہمی عورت
ضرور ہے۔ اس میں خواہ مبالغہ ہو۔ لیکن اس میں کلام نہیں۔ کہ
پاکدامنی کے لحاظ سے برہما کی حالت نہایت ہی ادنےٰ درجہ کی ہے۔
یوریشنوں۔ مسلمانوں۔ ہندؤں اور چینیوں کی دوغلی نسل برہما میں
دن بدن بڑھ رہی ہے۔ اور اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ پولٹیکل سوال
اس ملک میں حل کرنا مشکل ہو جائیگا۔ یورپین لوگوں کے تعلق سے
پیشتر اس بدقسمت مُلک کے باشندے ایک ہی نسل سے تھے۔ ان کا
مذہب ایک تھا۔ وہ ایک ہی زبان بولتے تھے۔ اور سب کا طریق زندگی
ایک سا تھا۔ لیکن آج حالت بالکل مختلف ہے۔ اصلی برہمی پس پُشت
ڈالدئیے گئے۔ دیسی صنعت کاری تباہ ہوگئی ہے۔ قریباً کُل تجارت اجنبیوں
یعنے یورپینوں۔ ہندؤں۔ مسلمانوں اور چینیوں کے ہاتھ میں ہے۔ مخلوط
نسل تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ قدیم مذہب سے علانیہ لاپرواہی ہو
رہی ہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اُنیسویں صدی کے اہل برہما بالکل ہی
ناپید ہو جائینگے۔ ملک کے معدنی وسایل اجنبیوں کی فایدہ رسانی کے
لیئے کام میں لائے جارہے ہیں۔ تار۔ ریل۔ سڑکیں سب اسی مدعا میں
معاون ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی زرخیز زمینیں عموماً یورپینوں۔ ہندوستانیوں
یا چینیوں کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ انگریزی تعلیم نے ابھی مُلک میں
قدم نہیں جمائے۔ اگر اہل برہما کی بہتری منظور ہوتی تو انگریزوں کو اعلیٰ
تعلیمی انتظام کرنیکا عمدہ موقعہ تھا۔ کیونکہ ہر ایک برہمی پڑھا لکھا ہے
اس کا باعث بودھ پجاریوں کی کوشش ہے۔ کہ جو اب دن بدن

کس مپرسی کا شکار ہو رہے ہیں - ترقی تعلیم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے - کہ اتنے بڑے ملک میں جو رقبہ بنگال کے برابر ہے اور آبادی میں پنجاب سے نصف ہے - ایک گورنمنٹ کا اور دوسرا مشن والوں کا صرف دو ہی کالج موجود ہیں - اپر برما - اراکان یا تناسرم میں ایک بھی کالج موجود نہیں - گذشتہ پانچ سال کے عرصہ میں صرف ۳۴ برہمی طالب علموں نے کلکتہ یونیورسٹی سے گریجویٹ بننے کی ڈگریاں حاصل کی ہیں - اور ان میں بھی بڑی تعداد پہلے سال کی تھی - رنگون کالج میں طلبا کی اوسط حاضری سنہ ۱۹۰۱ و ۱۹۰۲ء میں ۱۲۶ تھی - سنہ ۱۹۰۵ و ۱۹۰۶ء میں ۱۶۱ ہو گئی - مگر سنہ ۱۹۰۶ و ۰۷ء میں ۱۰۴ رہ گئی - مشن کالج میں ۱۲۳ سے تعداد ۲۰ تک پہنچ گئی - لفٹننٹ گورنر برہما اپنی تیسری رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ برہما میں زیادتی تعلیم کا اینگلو انڈین حکام نے بلاوجہ شور مچا دیا ہے - ابھی کئی سال تک موجودہ تعلیم سے بمشکل سرکاری ضرورت ہی پوری ہو سکیگی - بنگال میں ۳۴ ہزار طلبا نے سنہ ۱۹۰۷ء میں مڈل سے اعلیٰ درجوں میں پاس کیا ہے - اور بمبئی مدراس اور مشرقی بنگال و آسام میں یہ تعداد بیس ہزار طلبا کی ہے - مگر برہما میں بمقابلہ اس کے یہ تعداد صرف سات سو ہے - لفٹننٹ گورنر کی رائے میں ابھی وسایل تعلیم کو مزید وسعت دینے کی ضرورت ہے - یہ غلط ہے کہ ضرورت سے زیادہ تعلیم کا انتظام کر دیا گیا ہے - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو انتظام ہوا ہے - وہ بالکل ناکافی ہے - لفٹننٹ گورنر کی رائے میں ترقی تعلیم کے ساتھ گورنمنٹ کی اغراض وابستہ ہیں کیونکہ یورپین طریق پر انتظام حکومت کی موجودگی میں

دیسی تعلیم یافتہ ملازموں اور عہدیداروں کی تقرری نہایت ضروری اور لازمی ہے۔ صنعتی تعلیم کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ایک انگلش خاتون مسز ارنسٹ ہارٹ اپنی تصنیف موسومہ "دلکش برہما" میں لکھتی ہیں۔

صنعت و دستکاری کے متعلق جاپانی سکولوں کی مثال سامنے رکھ کر برٹش گورنمنٹ کو برہما میں اہل ملک کی ترقی کا بہت بڑا موقعہ حاصل ہے جاپان اور برہما کے باشندے بلحاظ نسل۔ خیالات۔ مذہب اور خواہشات ایک ہی قسم کے ہیں۔ آب وہوا کا اختلاف مدنظر رکھ کر بھی مجھے یقین ہے۔ کہ صنعتی تعلیم جس کے لئے جاپانی خاص شہرت رکھتے ہیں اہل برہما میں بھی کامیابی سے رائج کی جاسکتی ہے۔ عوام کی ذہانت میں کوئی کلام نہیں۔ ان میں صنعت و دستکاری کا ہنر اعلےٰ درجہ کا موجود ہے ان کی ضروریات زندگی بہت تھوڑی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی صنعتوں اور دستکاریوں کی اگر اشاعت اور حوصلہ افزائی کی جائے۔ تو لوگ برٹش راج سے زیادہ مانوس ہوجائینگے۔ اور برہما کی چھاونیوں میں موجودہ توپخانوں کی نسبت برٹش راج کو عوام کے دلوں میں مستحکم کرنے کے حق میں یہ خوشحالی زیادہ مؤثر اور کارگر ثابت ہوگی۔ حاکم و محکوم کی غرض وغایت ایک ہی ہونی چاہیئے اور وہ یہ کہ بڑی سے بڑی تعداد کی زیادہ سے زیادہ بہتری ہوسکے اور عوام کی یہ شکایت نہ رہے کہ "ہم دن بدن زیادہ مفلس ہوتے جاتے ہیں"۔ اور لوگ اُس زمانے کا افسوس نہ کریں کہ جب ان کا بادشاہ ہزارہا نجاروں۔ لوہاروں۔ پارچہ بافوں۔ ظروف سازوں وغیرہ صناعوں اور دستکاروں کو اپنی ملازمت میں

رکھتا تھا - جہاں سینکڑوں صناع اور دستکار مصروف ہوتے تھے - وہاں اب ہزاروں کی تعداد ہونی چاہیئے - مُدّعا یہ نہ ہو - کہ برہما کی صنعتیں اور دستکاریاں تباہ کرکے مانچسٹر اور برمنگھم کی صنعتوں کے لئے میدان پیدا کیا جائے - بلکہ یہ کہ لوگوں کو اپنی ضروریات کی تیاری کے لئے خود صناع و دستکار بنایا جائے - اور ملک اپنی ضروریات آپ مہیا کرکے خوشحال اور فارغ البال ہو - اگر ایسا نہ ہو تو ہمارا غلبہ لعنت اور حکومت خودغرضی ہے" -

چند سال ہوئے جب یہ خیالات ظاہر کئے گئے تھے - تب سے جو ترقی صنعتی تعلیم کے متعلق برہما میں ہوئی ہے - وہ سرکاری رپورٹ سے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے - ذیل کے چند اقتباسات درج کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے -

(۱) مندرجہ ذیل ذرائع سے برہما میں خاص قسم کی صنعتی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے :-

(الف) گورنمنٹ انجنیئرنگ سکول واقعہ انسین متصل رنگون

(ب) انسین میں ریلوے ورکشاپ سے متعلق صنعتی تعلیم کی جماعتوں کا انتظام

(ج) رنگون - مولمین - اکیاب - مانڈلے میں سرکاری بورڈنگ ایسے یورپین طلباء کے لئے موجود ہیں جو ریلوے ورکشاپ سے باہر جہاز سازی لکڑی کا کام - جہازی ملازمت یا کسی پن چکی میں کام کرنا یا کوئی دوسرے کام جن کو بورڈنگ کی انتظامی جماعت منظور کرے سیکھ رہے ہوں ۞

(د) صنعتی تعلیم کی جماعتیں جن کو سرکاری امداد دی جاتی ہے
(ھ) سروے کی تعلیم کے لئے سرکاری سکول
(و) نوعمر قیدیوں کے لئے اصلاحی سکول

(۳) انجنیئرنگ سکول ۱۸۸۵ء میں قایم کیا گیا تھا۔ اب اس میں ۶۳ طلبا زیر تعلیم ہیں۔ اس کی غرض اپر اور لوئر برہما میں محکمہ تعمیرات کے لئے ادنے درجہ کے ملازم مہیا کرنا ہے۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں طلبا کی تعداد ۷۲ تھی۔ طلبا میں یورپین۔ یوریشین۔ ہندوستانی اور برہمی لڑکے شامل ہیں۔ ہیڈ ماسٹر لکھتا ہے۔ کہ برہمی طلبا کی تعداد میں نسبتاً اضافہ ہو رہا ہے اور یہ اچھے آثار ہیں۔ لیکن یورپین اور یوریشین کی تعداد میں بمقابلہ ہندوستانی طلبا کے بہت کمی ہوگئی ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء کے امتحان میں ۹ یوریشین ۱۴ برہمی اور ۳۰ ہندوستانی شریک ہوئے تھے۔ ہندوستانی طلبا میں سے کثیر تعداد براہ راست ہندوستان سے آکر سکول میں داخل ہوئی اور سکول سے امتحان پاس کر کے اُنہوں نے وہیں ملازمت اختیار کر لی۔ اس لئے سکول اہل برہما کی لاپرواہی کی وجہ سے ان کی نسبت ہندوستانیوں اور دوسری جماعتوں کے لئے جو برہما میں مقیم ہیں زیادہ فایدہ رساں ہے۔ حالانکہ سکول کی غرض زیادہ تر برہما والوں کو فایدہ پہنچانا ہے"۔

اس امر کے متعلق کہ ایسی حالت کا ذمہ وار کون ہے؟ اگرچہ اختلاف رائے ممکن ہے۔ مگر اس امر واقعہ کی تردید نہیں ہو سکتی۔ کہ بڑی حد تک اس کے لئے اجنبی حکومت ذمہ وار ہے۔ جو فرزندان ملک کے متعلق اپنے فرایض کی ادائیگی سے غفلت کر کے ان کو لکڑیاں چُننے اور پانی لانے والوں

کی حالت تک پہنچا رہی ہے - اس امر کے متعلق رپورٹ میں کوئی ذکر نہیں
کہ اہل برہما کو تعلیم دینے اور سکول کی طرف راغب کرنے میں گورنمنٹ
نے کون سی خاص کوششوں پر عمل کیا - محاصل بالعموم سخت ہیں -
اہل برہما خزانہ سلطنت میں بھاری حصہ داخل کرتے ہیں - مندرجہ ذیل
اقتباس سے جو متذکرہ بالا کتاب سے ہے اس کے متعلق پوری وضاحت
ہوتی ہے -

"بجٹ کی بھاری رقم جو گورنمنٹ کے پاس رہتی ہے - اہل برہما کی عام
اور صنعتی تعلیم و صنعتوں کی ترقی اور حوصلہ افزائی اور ریلوں اور سڑکوں
کی تیاری پر خرچ ہونی چاہیئے - لیکن اخراجات پورے کرکے برہما کی
آمدنی ہندوستان کے خالی خزانے کو بھیج دی جاتی ہے - گو گورنمنٹ
کا ارادہ ہے کہ آیندہ بجٹ میں سے کچھ برہما پر بھی خرچ کیا جایا کرے - برہما
ایک متمول ملک ہے اور اس کے باشندے جو بالطبع خوشباش ہیں فاضل
مالیہ کا بہترین استعمال کر سکتے ہیں لیکن باشندوں کی کثیر تعداد کو مہذب
اور تعلیم یافتہ بنانے کا کوئی معقول انتظام گورنمنٹ کی طرف سے نہیں ہے
اور اس کی وجہ روپیہ کی کمی ظاہر کی جاتی ہے -
مجھے اندیشہ ہے - کہ ان لوگوں کی پیشینگوئی میں بہت کچھ صداقت
موجود ہے - جو خیال کرتے ہیں کہ برہمی اپنی ہستی کھو دینگے - کیونکہ جس
ملک پر خود غرضانہ اجنبی حکومت ہو اسکا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے -

میجر ہاروسٹ } سپرنٹنڈنٹ جیل - سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی کمشنر
کے علاوہ میجر ہاروسٹ مجسٹریٹ چھاونی مجھے

مجھے دو دفعہ ملنے آئے۔ ان ملاقاتوں میں آپ نے مجھے جتلا دیا۔ کہ آپ
کسی سرکاری غرض سے ملنے نہیں آتے بلکہ یہ آمد و رفت محض دوستانہ
اور ہمدردانہ ہے اور اس کا باعث وہ احساس ہے۔ جو ہر ایک نیک
مسیحی کے دل میں بیماروں اور قیدیوں کی نسبت موجود ہونا چاہئیے
میجر ہارڈسٹ رومن کیتھلک عقیدے کے عیسائی اور لارڈ رپن کے
بڑے مدّاح ہیں۔ آپ نے بتلایا۔ کہ آپ لبرل خیالات کے اور آیرلینڈ
جُداگانہ پارلیمینٹ کا حق ملنے (ہوم رول) کے حامی ہیں۔ آپ اپنے آپ کو
ہندوستان کا ہوا خواہ ظاہر کرتے تھے۔ مگر آئرلینڈ اور ہندوستان کی
قومی پارٹی کے طریق عمل اور حصول مدّعا کے لئے مروجہ ذرایع و وسایل
سے آپ کو سخت اختلاف تھا۔ آپ ہی نے مجھے سب سے پہلے اطلاع
دی۔ کہ ہندوستانی فوج کو اُکسانے کی کوشش کا مجھ پر شُبہ کیا گیا
ہے۔ اور کہ اینگلو انڈین اخبارات مجھے غدر کے شہرت یافتہ نانا صاحب
سے تشبیہ دیتے ہیں۔ میں نے اُن سے کہہ دیا۔ کہ یہ ساری افواہیں
بے بنیاد اور سفید جھُوٹ ہیں۔ اور اُن بے اصول متفنّی لوگوں نے یہ
افواہیں پھیلا رکھی ہیں کہ جن کو مجھ سے ذاتی رنج ہے اور جو میرا بُرا چاہتے
ہیں۔ آپ نے کہا۔ کہ انگریزوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ اینگلو انڈین
اخباروں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی واقفیت کی بناپر وہ
اپنی رائے قایم کر لیتے ہیں۔ میجر ہارڈسٹ نے میرے مطالعہ کے لئے
کئی کتابیں دیں۔ جس کے لئے میں اُن کا ممنون ہوں ؞

ساتواں باب

تقسیم اوقات

مانڈلے میں روزانہ زندگی کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے
میں عموماً پانچ اور چھ بجے کے درمیان بستر سے اُٹھتا۔ شوچ کے
بعد اشنان کرکے سندھیا کرتا۔ پھر گرم دودھ کا ایک گلاس پی
کر سیر کو نکل جاتا۔ اور واپس ہوکر ذیل کی دھارمک کتب سے
مطالعہ کرتا۔

۱۔ بھاگوت گیتا۔ بامداد ایک انگریزی ترجمہ اور ایک ہندی بھاشیہ
۲۔ میسیج آف ویداز۔ وید منتروں کا مجموعہ انگریزی ترجمہ مرتبہ لالہ
گوکل چند جی ایم۔اے
۳۔ یوگ درشن بامداد ایک ہندی بھاشیہ
۴۔ وید منتروں کا انتخاب مرتبہ ماسٹر درگا پرشاد جی معہ پوتر روگ وغیرہ
۵۔ تیتریہ اپ نشد معہ ایک ہندی بھاشیہ

اس کے بعد متفرق مطالعہ شروع ہوتا۔ ۱۱ اور ۱۲ بجے کے درمیان اشنان کر کے کھانا کھاتا۔ پھر ایک دو گھنٹے اگر کوئی میگزین ہوتا تو وہ پڑھتا اور اس کے بعد پھر مطالعہ میں لگ جاتا۔ پانچ یا چھ بجے یہ مطالعہ ختم ہوتا۔ بعض اوقات برہما کے متعلق تصنیفات اور دوسری کتابوں سے یادداشتیں لکھتا۔ پانچ بجے کے بعد عموماً شام کی سیر کو چلا جاتا۔ اور اندھیرا ہونے سے پہلے لوٹ آتا۔ لیمونیڈ یا جنجریڈ کی ایک بوتل پی کر احاطہ میں قریباً ایک گھنٹہ بیٹھا رہتا۔ اور پھر اوپر چلا جاتا۔ رات کا کھانا کھانے سے پیشتر اشنان کرتا۔ کھانا کھانے کے بعد بعض اوقات پڑھنے کی کوشش کی جاتی۔ لیکن چونکہ روشنی کے گرد کثرت سے کیڑے موجود ہو جاتے تھے۔ اس لئے بیٹھنا مشکل تھا۔ نو بجے بستر پر لیٹ جاتا شام کی سندھیا باقاعدہ نہ تھی لیکن ایسی کوئی شام نہ ہوتی تھی کہ جب میں کچھ وید منتر یا بھجن گائن نہ کرتا۔

کون سی کتب مطالعہ کیں

دھارمک پُستکوں کے علاوہ میرے مطالعہ کی کتابوں کی تعداد خاصی تھی۔ ہر ایک کتاب جو مجھے ملی خواہ وہ کیسے معمولی مضمون یا معمولی مذاق کی تھی میں نے قریباً ساری پڑھی کیونکہ بڑی غرض اوقات گذاری تھی۔ ناولوں کی کثیر تعداد مطالعہ کی۔ حالانکہ ان کے مطالعہ سے کوئی حقیقی فایدہ نہ تھا۔ تاہم مندرجہ ذیل کتابوں کی فہرست ملاحظہ کرنے سے واضح ہوگا کہ مانڈلے میں بعض اعلےٰ درجہ کی مستند کتب کا مطالعہ کرنے سے میں نے اپنا وقت اچھی

طرح استعمال کیا۔

الف ۔ برہما ۔ اہل برہما اور برہما کی تواریخ کے متعلق

۱ ۔ "برہما انگریزی حکومت کے ماتحت اور اس سے پہلے" (از تسبٹ دو جلد)

۲ ۔ "موجودہ اور زمانہ گذشتہ کا دلکش برہما" (از مسز ارنسٹ ہارٹ)

۳ ۔ برہما اور برہمی اقوام (از سچوے یو)

۴ ۔ "ریشم پوش مشرق" دو جلد

۵ ۔ خوبصورت استریوں اور بودھ مندروں کے درمیان"

۶ ۔ "حالات برہما کے متعلق جیبی کتاب (از سکاٹ)

۷ ۔ "ایک قوم سکول میں" (از فیلڈنگ ہارشل)

۸ ۔ "ایک قوم کی روح" (" ")

۹ ۔ "رپورٹ مردم شماری برٹش برہما

۱۰ ۔ "سرکاری رپورٹ برہما بابت ۱۹۰۵ء

علاوہ ازیں برہمیوں کی زندگی ۔ رسم ورواج اور عام چال چلن کے متعلق کئی چھوٹی چھوٹی کہانیاں مطالعہ میں آئیں ۔

(ب) عام کتب

۱ ۔ جسٹس میکارتھی کی ری منی سنس دو جلد

۲ ۔ جسٹس میکارتھی کی "ہمارے اپنے زمانے کی تواریخ" ۵ جلد

۳ ۔ انگلنڈ جدید کی ہسٹری (از ہربرٹ پال) ۵ جلد

۴ ۔ "ہربرٹ سپنسر کی خودنوشت سوانح عمری" ۲ جلد

۵ ۔ "آیرلینڈ جدید" (از ڈفی)

۶ - یورپین اقوام کی تواریخ (از لکی) ۲ جلد
۷ - زمانہ وسطی کی ہسٹری (از ہالم) ۳ جلد
۸ - "ڈچوں کی جمہوری سلطنت کا عروج" (از موٹلے) ۲ جلد
۹ - حکومت عامہ متعلق امریکہ ۲ جلد
۱۰ - "تلوار اور بہی کھاتہ" ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہسٹری - ۲ جلد
۱۱ - تاریخ بغاوت ہند (از - کے ومیلین جلد ۲ و ۳)
۱۲ - ہندوستان میں ۴۱ سال (از لارڈ رابرٹس)
۱۳ - انسانی دل (از فیلڈ نگ مارشل)
۱۴ -
۱۵ - صنعت کی کایا پلیٹ
۱۶ - ہندوؤں کی فوقیت (ہندو سوپیریرٹی) از مہاشہ ہربلاس سارڈا
۱۷ -
۱۸ -
۱۹ - بائرن کی نظمیں
۲۰ - طامس مور کی نظمیں

کئی پرانے مشہور ناولوں کے علاوہ زمانہ حال کے کئی نامور ناول نویسو کے ناول بھی مطالعہ میں آئے۔

(ج) اردو اور فارسی کی کتابوں سے دیوان حافظ - دیوان ذوق آزاد کا آب حیات اور نیرنگ خیال میرے پاس تھیں۔

(د) مندرجہ ذیل رسالے مجھے گھر سے بھیجے جاتے تھے۔ مگر

ان کا کوئی کوئی نمبر دیکھنے کو ملتا تھا۔

ریویو آف ریویوز (صرف ایک نمبر ملا) مانتھلی سنچری"۔ ویسٹ منسٹر میگزین۔ فورٹ نائٹلی ریویو۔ کنٹمپریری ریویو۔ "ہندوستان ریویو" (دو یا تین نمبر ملے)۔ ماڈرن ریویو صرف دو نمبر ملے۔ ویدک اینڈ گورو کل میگزین۔ زمانہ۔ مخزن۔ دیو ناگری پرچارنی پتر کا

تحریری کام

زمانہ اسیری میں مَیں نے جو تحریری کام کیا اس کی تفصیل ذیل میں درج ہے:۔

(الف)۔ حالات بر ہما پر ایک چھوٹی سی تصنیف اس میں وہ حالات درج ہیں جو مطالعہ کتب اور برہمی سب انسپکٹروں سے دوران گفتگو میں معلوم ہوئے۔

(ب) ایک اردو ناول۔ فلسکیپ کاغذ کے ۵۰ صفحے۔ یہ ناول ناتمام ہے

(ج) موجودہ واقعات پر ایک مضمون

(د) بھاگوت گیتا کے متعلق ایک مضمون۔ انگریزی

(ہ) اصلاح سوسائٹی پر ایک مضمون "

مضمون متذکرہ حرف د ماڈرن ریویو الہ آباد مارچ ۱۹۰۸ء میں شایع ہو چکا ہے۔ اور ایک رسالہ کی شکل میں علیحدہ بھی چھاپا گیا ہے ؛

مختلف خیالات

میں چاہتا تھا۔ کہ دوران مطالعہ میں جو خیالات متفرق طور پر میرے دل میں پیدا ہوتے رہے۔ وہ درج کئے

جاتے ۔ بعض خیالات کے متعلق ڈایری میں مختصر یادداشتیں موجود ہیں۔
مگر وہ ایسی مختصر ہیں۔ کہ عام طور پر پڑھنے والے اس سے مستفید نہیں
ہوسکیں گے۔ اور مجھے متاحال فرصت نہیں ۔ کہ ان مختصر یادداشتوں
کو مفصل کرسکوں۔ اس لئے یہ کام کسی دوسرے وقت پر اُٹھا رکھا
گیا ہے ۔

زمانہ اسیری کے رفیق

قید کی حالت میں بڑی مصیبت تنہائی تھی ۔ قبل ازیں مینے ایسی تنہائی کبھی محسوس نہ
کی تھی ۔ میرے محترم دوست شریمان لالہ ہنسراج جی آنریری پرنسپل
دیانند اینگلو ویدک کالج نے بالکل سچ کہا تھا ۔ کہ سوسایٹی کے ساتھ
مِلے جُلے رہنے کی عادت ہونے کی وجہ سے یہ جبریہ تنہائی میرے
لئے سخت مصیبت ناک ہوگی ۔ متعینہ یورپین سارجنٹوں میں سے
بعض بڑے مہربان تھے ۔ اور میں کبھی کبھی ان کے ساتھ مل بیٹھتا
لیکن ان کی صحبت میں مجھے کیا خوشی حاصل ہوسکتی تھی ۔ تعلیم
اور خیالات کا فرق تھا ۔ وہ میرے خیالات اور جذبات سے
بخوبی آگاہ نہیں ہوسکتے تھے ۔ علاوہ بریں ہمارے مذاق مختلف تھے
وہ انگریزی قوم میں درندوں کی زندگی کا نمونہ پیش کرتے تھے ۔ حالانکہ
روحانیت سے مجھے دلی لگاؤ تھا ۔ میں اپنی طبعیت کو حالات موجودہ
کے مطابق بنا لیا کرتا ہوں ۔ لیکن ایسا کرنے پر بھی جن حالات میں
میں رکھا گیا تھا ۔ مجھے ان سارجنٹوں کی معیت میں چنداں خوشی

حاصل نہ ہوتی تھی۔ بنگلے میں دو بلّی کے بچے تھے۔ ان سے جی بہلا لیتا تھا۔ جب میں نے انہیں کھلانا شروع کیا۔ تو مجھ سے پیار کرنے لگ گئے۔ لیکن ان کا پیار کرنا تکلیف سے خالی نہ تھا۔ کیونکہ وہ رات کو بھی میرے ساتھ اسی بستر پر سونے کے لئے بضد ہوتے تھے ان کے ساتھ ہونے سے میری نیند اچاٹ ہو جاتی۔ کئی راتوں تک ان کی محبت اور اپنی تکلیف کے خیالات کے درمیان کشمکش جاری رہی۔ میں چاہتا تھا۔ کہ وہ دن بھر ہی میرے رفیق بنے رہیں۔ مگر وہ دن اور رات میرا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آخر کار میں کبھی کبھی انہیں کسی قدر فاصلہ پر ایک کوٹھڑی میں رات کو بند کرنے کے لئے نوکر سے کہہ دیتا۔ آہستہ آہستہ وہ میری عادت سے واقف ہو گئے اور انہوں نے مجھے تنگ کرنا چھوڑ دیا بعض اوقات میں دیر تک انہیں آپس میں کھیلتے ہوئے دیکھتا رہتا۔ وہ ایک دوسرے پر دولتیاں چلاتے۔ ایک دوسرے سے لپٹ جاتے۔ ان کے درمیان بڑی محبت تھی۔ میرے لئے یہ تجربہ نیا تھا۔ لیکن غیر معمولی محبت کے باوجود دکھانے پر ان کی آپس میں سخت لڑائی بھڑائی بھی کچھ کم حیرت انگیز نہ تھی۔ ایک ٹکڑے پر وہ ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے پر تیار ہو جاتے تھے۔ ان میں سے ایک بڑا چالاک اور مکار تھا۔ وہ ہمیشہ دوسرے سے خوراک کا زیادہ حصہ لینے کا حیلہ کرتا اور مجھے کمزور کی حمایت میں دست اندازی کرنی پڑتی۔ انسانی گروہوں۔ نباتات اور حیوانات کے درمیان جس طرح عمل ہو رہا ہے۔ بلّی کے بچوں کا باہمی برتاؤ اس کی

بعینۂ مثال تھا۔ اور اس لئے مجھے اس سے بہت ہی دلچسپی تھی۔ میں نے ان کے دل میں سلامت روی اور انصاف کا بیج بونا چاہا۔ اور ایک ہی پیالے میں انہیں دودھ پینے کا عادی بنا یا۔ اس طرح میرا ایک دو گھنٹے وقت انہیں کے معاملات میں خرچ ہو جاتا۔ ان کی طرف سے اس کا بدل یہ تھا۔ کہ وہ میری گود میں آ بیٹھتے۔ ہاتھ چاٹتے۔ اور پیار کی دیگر علامتوں کا اظہار کرتے۔ یہ خیال کرنے پر کیسی خوشی محسوس ہوتی تھی۔ کہ آخر اس قیدخانے کی چار دیواری کے اندر دو وجود ایسے موجود ہیں جو مجھے پیار کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ ایک ہی برتن میں با امن خوراک کھانے لگے۔ میں فخر محسوس کرتا تھا۔ کہ میں نے انہیں امن اور حسن سلوک سے رہنا سہنا سکھلا دیا ہے۔

میں نے ان گھریلو جانوروں میں مزید اضافہ کرنا چاہا۔ اور ایک کتے کا پلّا منگوالیا۔ لیکن یہ کچھ خوبصورت نہ تھا۔ اس لئے میں نے رہائی کے دن صبح کو وہ لانیوالے کو واپس کر دیا۔ کیونکہ بنگلے کے ٹھاکر صاحب نے مجھے اچھی نسل کا پلّا لا دینے کا وعدہ کیا تھا۔

ایک شہتیر کے سوراخ میں مینا کا جوڑا بچوں سمیت رہتا تھا۔ مینا مجھے راگ سنانے کی خدمت انجام دیتی۔ لیکن ایک سارجنٹ ان کے پکڑنے کی فکر میں لگا تھا۔ چونکہ مینا بڑی ہوشیار تھی اس لئے وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ البتہ ایک دن مینا کی عدم موجودگی میں وہ دو چھوٹے بچوں کو اُٹھا کر اپنے مکان پر لے گیا۔ مینا واپسی پر بچوں کو موجود نہ پاکر سخت مضطرب نظر آتی تھی

اس کی دردناک چیخوں سے کمرہ گونجتا تھا۔ مینا کئی دنوں تک گھونسلے کے گرد منڈلاتی رہی اور پھر مایوس ہو کر ہمیشہ کے لئے وہاں سے چلی گئی اس طرح میں اپنے ایک یوروپین محافظ کی بیرحمی اور سنگدلی کے باعث ان جانوروں کی صحبت سے محروم کر دیا گیا۔ جن میں انگریزی اور ہندی نسل کی تمام برائیاں ایک جا جمع تھیں اور دونوں نسلوں کی کوئی بھی اچھی صفت جس میں موجود نہ تھی۔

۱۱ نومبر کو دونوں بلّی کے بچے کہیں اِدھر اُدھر پھرنے باہر گئے ہوئے تھے۔ کہ مجھے اسباب وغیرہ سمیت ریلوے سٹیشن پر پہنچا دیا گیا۔ ان کا واپسی کا انتظار کرنے کے لئے وقت نہ ملا۔ کیونکہ کمشنر صاحب نے کہا تھا۔ کہ سپیشل ٹرین تیار کھڑی ہے۔ سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جلدی چلنے کو کہہ رہے تھے۔ زندان کو چھوڑتے ہوئے جو رنج مجھے ہوا وہ یہ تھا۔ کہ میں بلی کے بچوں سے علیحدہ ہونے پر مجبور کیا گیا ہوں اسیری کے زمانے میں میں اکثر بائرن کی نظم "چیلن کا بندی" پڑھا کرتا تھا۔ اس واقعہ نے مجھے وہ شعر یاد دلائے جو رہائی کے وقت قیدی کی زبان سے ادا کئے گئے ہیں۔ اور جن کا لفظی مضمون یہ ہے کہ

"رہائی کی گھڑی آگئی زنجیریں الگ الگ کر کے پھینک دی گئیں"
"میرا محبس میرے لئے حجرہ گوشہ نشینی تھا۔ اور اسکی دیواروں"
"سے میں مانوس ہو چکا تھا۔ جب رہائی دینے والے آئے"
"تو میں نے رنج محسوس کیا۔ کہ وہ مجھ سے میرا دوسرا گھر چھڑانے"
"آئے ہیں۔ میں نے یہاں مکڑی سے دوستی پیدا کر لی تھی"

اور گھڑیوں تک ایسے تانا بانا تنتے دیکھا کرتا تھا۔ میں چوہوں کو چاندنی کے ساتھ کھیلتے دیکھتا۔ اور اپنے آپ کو انہیں میں سے خیال کرتا۔ ہم سب ایک ہی جگہ رہتے سہتے تھے اور میرا درجہ ان میں بادشاہ کا تھا۔ میں چاہتا تو اُنہیں مار سکتا تھا۔ مگر یہ تعجب کی بات تھی کہ ہم سب باامن گذارہ کرتے تھے۔ مدت کی رفاقت سے زنجیروں کے ساتھ بھی اُنس پیدا ہو گیا تھا۔ رہائی تو نصیب ہوئی۔ مگر ایک مدت کے رفیقوں سے جُدا ہوتے ہُوئے سینے سے آہ نکل گئی"۔

بھاگوت گیتا اور دیوان حافظ

جن اُستادوں کی تصنیفات اور کلام سے مَیں نے زمانہ اسیری کے دوران میں حوصلہ اور تسکین حاصل کی۔ ان کی شکر گذاری کا اظہار کئے بغیر اس باب کو ختم کرنا مجھے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

سری کرشن کی گیتا سے عملی دانشمندی اور حیات جاودانی کا بھید کھلتا تھا۔ اور حافظ شیرازی کا دیوان میرے لئے محبت اور مصائب کی حقیقت بیان کرتا تھا۔ مجھ پر مصیبت اس لئے آئی تھی کہ میں اپنے اصولوں اور اپنے ملک کو محبت کرتا تھا۔ حافظ کے اشعار براہ راست میرے دل پر اثر کرتے تھے۔ اور میری تسکین کا موجب تھے۔ مَیں بچپن کے زمانے میں بھی دیوان حافظ والد بزرگوار کے ساتھ پڑھا

کرتا تھا۔ لیکن اُسوقت یہ لطف نہ ملتا تھا۔ جو زمانہ اسیری میں اس کے مطالعہ کرنے سے حاصل ہُوا۔ علاوہ بریں میں دیگر اُستادوں اور مصنفوں کا بھی شکر گذار ہوں کہ جن کی تصنیفات اور جن کے کلام سے میں نے زمانہ تنہائی میں فایدہ اُٹھایا۔ ان اُستادوں اور نیکدل مصنفوں کے دلی خیالات مطالعہ کرنے کا جس کسی کو موقعہ ہو۔ اسکو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ ہر حالت اور زندگی کے ہر درجہ میں اپنے نیک مشوروں سے ہر ایک کے معاون بننے پر تیار ہوتے ہیں *

آٹھواں باب

زمانہ اسیری میں دل کی حالت

گرفتاری سے قریباً دو ماہ پیشتر مجھے اپنے داماد کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ یہ ایک لایق بی۔اے پنجاب یونیورسٹی کا ایم۔بی اور ہونہار ڈاکٹر تھا۔ مرنے کے وقت اس کی عمر صرف ۲۶ سال تھی۔ اس افسوسناک حادثہ کے بعد میری لڑکی اور اس کے معصوم بچے کی غور پرداخت کا انحصار میری ذات پر تھا۔ اس زمانہ میں پبلک معاملات سے فرصت نہ ملی۔ اور میں ان کی آئندہ زندگی کے متعلق کوئی مناسب انتظام نہ کرسکا۔ میرا بڑا لڑکا بھی ابھی کسی کام پر نہ لگا تھا دو سال پیشتر وہ پڑھائی چھوڑکر کاروباری زندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ ۱۹۰۷ء کا موسم سرما اس نے ایک چھوٹے سے کارخانہ روئی میں جو میری اور میرے دو دوستوں کی مشترک ملکیت تھا۔ کاروبار کے متعلق ابتدائی مرحلوں سے واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے

بسر کیا تھا - ابھی میں اسکو کسی کام پر نہیں لگا سکا تھا - کہ سنہ ۱۹۰۷ء
کے موسم بہار کے اس واقعہ گرفتاری اور جلاوطنی نے میرے لئے اس
کی مدد کرنا ناممکن بنا دیا - اس لئے میری گرفتاری کے وقت معاملات
قابل اطمینان حالت میں نہ تھے - اس لئے سب سے پہلے میں نے
ان معاملات کی درستی کے لئے اور اپنے بچوں کے حق میں مفید اور
ضروری ہدائتیں مانڈلے سے ارسال کیں - میرے بیٹوں کو میری جائداد
کا علم تھا - اس کے متعلق میرا کام صرف یہی تھا - کہ وہ جائداد مناسب
طریقہ پر ان کے نام منتقل ہو جاسکے - چنانچہ کوئی وقت ضائع کئے
بغیر میں نے اس کام کو انجام دیدیا - اس عمل سے میرے پاس
کمپنیوں کے چند حصص یا تھوڑے سے دان کے روپیہ کے سوا کچھ
باقی نہ رہا -

بچوں میں سے جس کا مجھے زیادہ خیال تھا - اور جس کا خیال مجھے
اکثر اضطراب میں ڈالتا تھا - وہ میری ودھوا کنیا تھی - کنبہ کے ممبروں
سے میں اپنے پتا کے لئے جلاوطنی پر رنج کرتا تھا - مجھے یہ خیال
کرنے سے اطمینان نصیب ہوتا - کہ میری ماتا یہ صدمہ اٹھانے کو اب
اس دنیا میں موجود نہیں - اور میرے دونوں چھوٹے بھائی اپنے اپنے
کام میں لگے ہیں - اس لئے خاندانی معاملات جلاوطنی کی حالت میں
میرے لئے زیادہ تشویشناک اور رنجدہ نہ تھے - اپنی استری کی نسبت
مجھے یقین تھا - کہ وہ اس مصیبت کو صبر اور حوصلہ سے برداشت
کریگی - ابتدائی چٹھیوں میں جو عزیز پیارے لال کو مانڈلے سے

لکھیں۔ میں نے تاکید کی۔ کہ وہ میرے والد بزرگوار کا بخوبی خیال رکھے۔ ان کی دلجوئی کرے اور کوئی ایسا کام نہ کرے کہ جس سے انکو رنجیدہ ہونے کا موقعہ ہو۔ اب جبکہ میں پھر آزاد ہوں۔ میں اس زمانہ پر فخر سے نظر ڈالتا ہوں۔ کہ کس بلند حوصلگی سے میرے پتا نے میری جلاوطنی کا صدمہ برداشت کیا۔

دان۔ فیاضی اور مہمان نوازی کے متعلق جو سبق مجھے اپنی ماتا سے ملے ان کے لئے میں اسکا بہت ہی شکر گذار ہوں۔ یہ یاد کرنے پر مجھے مسرّت ہوتی ہے۔ کہ میرے بچپن میں جب کوئی جوتشی یا رمّال میری والدہ سے کہتا کہ تمہارا بیٹا بڑا دانی ہوگا تو وہ کیسی خوش ہوتی تھیں۔ اُن کی زندگی دان اور مہمان نوازی کے لحاظ سے میرے لئے مؤثر سبق تھی۔ میری جوانی کے وقت رفاہ عام کے کاموں میں میرے حصہ لینے پر اُن کو ہمیشہ فخر ہوتا تھا۔ اور ہر ایک فیاضی کے کام میں میری حوصلہ افزائی کرتی تھیں۔ کسی قصور پر چشم پوشی کی اعلےٰ صفت اُن میں موجود تھی۔ اور کسی اعلےٰ یا ادنےٰ کی دلشکنی انہیں گوارا نہ ہوتی تھی۔ انہیں اپنے آپ پر کامل بھروسہ ہوتا تھا۔ اور وہ کسی معاملہ میں کسی سے کسی رعایت کی خواہاں نہ ہوتی تھیں۔

میں نے اپنا ذاتی کیرکٹر بہت کچھ ماتاجی سے ورثہ میں پایا ہے اگرچہ میں اپنی شخصیت کے لئے اپنے پتا کا بھی کچھ کم شکر گذار نہیں آپ ہی نے میرے دل میں دہارمک خیال اور علمی مذاق پیدا کیا اور مجھے حب الوطنی کا سبق دیا۔ بعد ازیں آپ کو شاید کبھی کبھی خیال

پیدا ہُوا ہو۔ کہ اس پہلو میں میں نے آپ کی ہدایات سے تجاوز کیا ہے اور آپ کی مقرر کردہ امید کی حدود سے نکل گیا ہوں لیکن جو بیج آخر کار پھل لائے ہیں وہ آپ ہی کے ہاتھوں سے بوئے گئے تھے۔ جلاوطنی سے واپسی پر مجھے یہ معلوم کر کے بڑی ہی خوشی حاصل ہوئی۔ کہ اس افتاد کو جو آپ کی زندگی میں سخت بدقسمتی کی مصیبت تھی۔ آپ نے کمال بلند حوصلگی اور دلیری سے برداشت کیا۔ اور اس تشویش و اضطراب کے زمانے میں کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ جس سے آپ کی مردانہ خصایل پر حرف آتا۔ جلاوطنی کے دنوں میں آپ کی طرف چٹھیاں لکھ کر آپ کو حوصلہ دلاتے رہنے کا مجھے بڑا خیال تھا۔ جواب میں مجھے بھی مختصر مگر محبت اور حوصلہ افزائی سے پُر چٹھیاں پہنچتی تھیں۔ یہ چٹھیاں عموماً مختصر ہوتی تھیں۔ کیونکہ آپ انگریزی نہیں جانتے۔ اردو میں مختصر چٹھیاں اس لئے لکھنی پڑتی تھیں کہ سپرنٹنڈنٹ جیل کے مطالعہ کے لئے ان کا ترجمہ ہونے میں دیر ہونے کا خوف تھا۔ ہر ایک چٹھی کے ساتھ جو میں آپ کو بھیجتا رومن حروف میں ایک ترجمہ بھی سپرنٹنڈنٹ کے ملاحظہ کے لئے بھیجدیتا تاکہ چٹھی کی روانگی میں توقف نہ ہو۔ دو یا تین دفعہ میں نے آپ کو لمبی چٹھیاں لکھ کر اپنے بھائی کی معرفت ارسال کیں۔ جس نے آپ کو ترجمہ کر کے سُنا دیں۔ آپ نے جو چٹھیاں لکھیں وہ اگرچہ مختصر تھیں۔ مگر ان میں کافی واقفیت یہ معلوم کرنے کے لئے ہوتی تھی۔ کہ میرے بچوں کے متعلق آپ مردانہ وار اپنے فرایض انجام

دے رہے ہیں۔ اور حوصلہ سے بدقسمتی کا صدمہ برداشت کر رہے ہیں قید کی حالت میں میرے پاس یہہ معلوم کرنے کا کوئی وسیلہ موجود نہ تھا۔ کہ میرے کنبہ کے متعلق فرائض انجام دینے کے علاوہ آپ میری مدافعت میں اپنے زبردست قلم سے بھی کام لے رہے ہیں۔ اور اسی قلم سے میرے بدخواہوں کے دلوں پر چھریاں چلاتے ہیں۔ مجھے یہ معلوم کر کے شرم محسوس ہوئی کہ ایک ہندوستانی ڈپٹی کمشنر نے بطور برٹش مجسٹریٹ اپنے فرائض کے لحاظ سے ضروری خیال کیا کہ میرے والد بزرگوار کی حرکات وسکنات کی باقاعدہ اور سخت نگرانی رکھنے کا حکم درپردہ جاری رکھا۔ گویا کہ وہ میرے پولیٹکل خیالات کی تہ میں یا میرے کسی کام کے لئے ذمہ دار تھے۔ لیکن یہ واجب التعظیم انسان ایک لحظہ کے لئے بھی تو نہیں گھبرایا۔ اور مجھے بیگناہ خیال اور ظاہر کرتے میں ثابت قدم رہا۔ سخت رنج والم کی حالت میں بھی کہ جب اسکا ایسا بیٹا جبراً جدا کر لیا گیا تھا۔ کہ جس کے دل میں اس کی محبت اور عزت کسی سے دوسرے درجہ پر نہ تھی اُس نے کبھی پست حوصلہ ہونے کا نام نہیں لیا۔

خط وکتابت — میری خواہش تھی۔ کہ جو چٹھیاں میں نے اپنے پتا۔ پتر۔ بھائیوں اور دوستوں کو مانڈلے سے لکھیں وہ سب کی سب درج کی جاتیں۔ لیکن ان میں سے ایک بڑی تعداد ضائع ہو چکی ہے۔

علاوہ بریں ایک کثیر تعداد ایسی چٹھیوں کی پرائیویٹ معاملات سے متعلق ہے۔ کہ جس کے مطالعہ سے ناظرین کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ تاہم ان میں بعض کے بعض حصص کا اقتباس اس امر کو ظاہر کر دیگا۔ کہ مانڈلے میں جبکہ میں نظر بند تھا میرے دل کی حالت کیا تھی؟

ان میں سے پہلی چٹھی ۲۰ مئی کی ہے۔ اور ایک ساہوکار دوست کو لکھی گئی تھی۔ اس میں سے ایک طویل اقتباس اس لئے درج کیا جاتا ہے۔ کہ میرے دل پہ اس واقعہ کا جو اثر پڑا تھا۔ اسکا پتہ لگ جائے

(بالکل پرائیویٹ) از مانڈلے - اپریل

میں یہ چٹھی آپ کو انگریزی میں لکھتا ہوں۔ کیونکہ (قبل از روانگی) اس کا سپرنٹنڈنٹ جیل کے ملاحظہ سے گذرنا لازمی ہے میں جیل سے باہر ایک مکان میں رہتا ہوں اور دن رات میری نگرانی کی جاتی ہے ورنہ میں ہر طرح آرام سے ہوں۔ ۰ ۰ ۰ ۰ کیا آپ نے میری ہدایات کے مطابق میرا حساب کتاب اپنی دوکانات واقعہ حصار۔ دہلی۔ نارنوند۔ مالیر کوٹلہ۔ اور لائیل پور سے منتقل کر دیا ہے؟ اگر نہیں۔ تو فوراً اس کام کو انجام دیکر مجھے مطلع کریں۔ مہربانی کر کے ایک علیحدہ حساب صرف پیارے کشن (میرے منجھلے بیٹے) کے نام کا کھولدیں۔ اور اس حساب میں پندرہ ہزار روپیہ جمع کر لیں میرا منشا ہے روپیہ یوروپ میں اس کی تعلیم پر خرچ کرنے کے لئے محفوظ رکھنے کا ہے۔ اس روپیہ کا انتظام میرے پتا کے ذریعے ہوگا اور اُن کے بعد پیارے لال

اور رنجیت رائے مشترکہ اسکا انتظام کرینگے - اس حساب میں سے صرف پیارے کشن کو یورپ میں تعلیم دینے پر خرچ کرنے کے لئے روپیہ لیا جا سکیگا - کسی اور غرض کے لئے نہیں - اگر آپ نے میری ہدایات کے مطابق حسابات کو منتقل کر دیا ہے - تو یہ جدید حساب کھولنے کی ضرورت نہیں - صرف یہ چٹھی بطور سند محفوظ رکھیں - کہ پندرہ ہزار روپیہ پیارے کشن کو یورپ میں تعلیم دینے کے لئے جمع رہیگا - یہ چٹھی میں احتیاطاً لکھ رہا ہوں - ورنہ میں ہر طرح تندرست اور صحیح سلامت ہوں - اور ابھی مدت تک زندہ رہنے کا ارادہ اور اُمید ہے -

براہ مہربانی جواب میں کاروبار اور اپنی اور اپنے دوستوں کی معمولی خیر و عافیت کی خبروں کے سوا اور کچھ نہ لکھیں -

آپ کا - "لاجپت رائے"

دوسری چٹھی ۹ رجون کی پیارے لال کے نام ہے - یہ پرائیویٹ معاملات کے متعلق ہے اس میں لکھا ہے - کہ خاص حصص اپنے نام اور اپنے بھائیوں کے نام منتقل کرا لے - اس چٹھی سے مندرجہ ذیل اقتباس دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آزادی کے زمانے میں جن انسٹی ٹیوشنوں کے لئے میں کام کر رہا تھا وہ ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے فراموش نہیں ہوئے اور وہ اقتباس یہ ہے -

"یہ بھی لکھیں کہ ہمارے کالج میں کس قدر نئے طلبا داخل ہوئے

ہیں"۔

مندرجہ ذیل چٹھی ۱۳ ؍ جون کی ہے اور پیارے لال کو لکھی گئی تھی۔

مانڈلے - ۱۳ جون ۱۹۰۷ء

عزیزم پیارے لال

اگر تم پہ امپیریل نوٹ فروخت کر سکو۔ تو روپیہ مدت معینہ کیلئے سود پہ جمع کر دو۔ کچھ اور روپیہ شامل کرکے یہ روپیہ پیارے کشن کی تعلیم یورپ کے لئے جمع رہیگا - میری دلی آرزو ہے کہ پیارے کشن اعلےٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرکے اپنے آپ کو خدمت ملک کے قابل بنائے - میں نے مدت سے یہ ارادہ کر رکھا ہے - کہ پیارے کشن کالج سٹاف میں ہمارا قایمقام ہوگا - اس خیال کو مدنظر رکھکر اسکو اول درجہ کی تعلیم ملنی چاہیئے - جو کہ ہم موجودہ محدود وسایل کی مدد سے اس کو دے سکتے ہیں - اس کو اپنی صحت اور چلن کا خاص طور پہ خیال رکھنا چاہیئے - مجھے کامل یقین ہے - کہ وہ اپنے پیارے پتا کی امیدیں پوری کریگا -

میگزین بھیجتے ہوئے اس بات کا خیال رہے - کہ جو رسالے بالکل یا زیادہ تر میرے متعلق معاملات سے پر ہوں (جیسا کہ انڈین ریویو کا گزشتہ نمبر تھا) وہ مجھے نہ بھیجے جایا کریں - انڈین ریویو کا مذکورہ نمبر اسی لئے روک لیا گیا تھا وہ رسالے کہ جن سے میرے متعلق مضامین علیحدہ کئے جا سکیں مطالعہ کے لئے بھیجد یا کریں -

نظم کے لئے مجھے اردو رسالونکی زیادہ ضرورت ہے - لالہ جسونت رائے کہاں ہیں اور کیسے ہیں ؟

تمہارا محب - لاجپت رائے"

مندرجہ ذیل چٹھی ۱۶ ارجون کی ہے - اور ایک دوست مقیم حصار کو لکھی

مانڈلے ۱۶ ارجون ۱۹۰۷ء

میرے پیارے ماسٹر جی (ماسٹر شام لال جی)

آپ کی چٹھی مورخہ ۷ رجون اور دریافت حالات کے لئے شکریہ ادا کرتا ہوں - آپ کے سوالات کے جوابات میں مفصل نہیں دیتا - مگر امید ہے کہ مندرجہ ذیل حالات آپ کی تسلی کے لئے کافی ہونگے - میں شاہی قلعہ میں رہتا ہوں - کہا جاتا ہے کہ اس قلعہ کا رقبہ سات میل کے قریب ہے جس مکان میں رہتا ہوں وہ بالکل چوبی ہے - اور سابق شاہ برہما کے محل کے عین محاذ میں واقعہ ہے - یہ مکان دو منزلہ ہے اور ہر ایک منزل دو حصوں میں منقسم ہے - منزل زیرین میں محافظ پولیس کا ڈیرا ہے اور بالائی منزل کا نصف حصہ میرے تصرف میں ہے اور یہ میرے لئے کافی ہے - اسوقت تک میری صحت اچھی حالت میں ہے اور آب وہوا کا کوئی برا اثر ظاہر نہیں ہوا میرے لئے ایک مدراسی ملازم رکھا گیا ہے اور وہی میرا کھانا انگریزی طریق پر تیار کرتا ہے - یہ ملازم سپرنٹنڈنٹ جیل کے احاطہ میں رہتا ہے - اور دن میں چار پانچ دفعہ

میرے پاس آتا ہے۔ یہی کھانا لاتا ہے اور یہی بستر بچھاتا ہے۔ ایک حجام ہر دوسرے دن حجامت بناتا ہے۔ ایک بہشتی پانی کے لئے مقرر ہے ایک دھوبی اور ایک خاکروب بھی رکھا گیا ہے۔ میں یہاں گھی کا استعمال نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہندوستانی قسم کا کھانا تیار کرنے کا کوئی انتظام نہیں مجھے یہاں دودھ مل رہتا ہے اور اس لئے گائے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی عنایتانہ پیشکش کے لئے مشکور ہوں۔ جن پھلوں کی ضرورت ہو وہ بازار سے منگوا لیتا ہوں۔ یہاں ہر وقت پھل کثرت سے دستیاب ہو سکتے ہیں آپ کھانے کی کوئی چیز ارسال کرنے کی تکلیف نہ کریں۔ اس سوال کے جواب میں کہ میں وقت کس طرح کاٹتا ہوں۔ عرض ہے۔ کہ میں ایک یورپین افسر اور دو کنسٹیبلوں کی نگرانی میں صبح شام قلعہ کے اندر سیر کو جاتا ہوں اور جتنا جی چاہے چل پھر سکتا ہوں۔ لاہور سے مجھے کچھ دھرمک پستکیں پہنچ گئی ہیں۔ اور صبح کا سارا وقت ۱۰ - ۱۱ بجے تک ان کے مطالعہ میں صرف کرتا ہوں۔ کھانا کھانے کے بعد جو مختلف کتابیں مل سکیں وہ پڑھتا ہوں۔ رنگون سے ایک دوست نے حال ہی میں کچھ کتابیں مجھے بھیجی ہیں۔ عموماً ۴ بجے شام تک میں متفرق کتابوں اور رسالوں کے مطالعہ میں لگا رہتا ہوں۔ اور اس کے بعد شام کی سیر کو نکل جاتا ہوں۔ اس عرصہ کے درمیان سپرنٹنڈنٹ جیل عموماً مجھے دیکھنے آتا ہے۔ یہاں خوب بارش ہو گئی ہے۔ اگرچہ راتیں چھوٹی اور گرم ہیں مگر میں کافی نیند لے لیتا ہوں۔ تاہم حسب معمول میری نیند اکثر اُچاٹ ہو جاتی ہے۔ کوئی انگریزی یا ہندوستانی اخبار دیکھنے کی

اجازت نہیں۔ میں نے آپ کو بتلا دیا ہے۔ کہ میں اپنے دن کس طرح کاٹ رہا ہوں اُمید ہے کہ اس تفصیل سے آپ کی تسلی ہو رہیگی۔ براہ مہربانی اس خط کو پرائیویٹ خیال کریں کیونکہ میں نہیں چاہتا۔ کہ مانڈلے میں میری حالت کے متعلق کچھ اخباروں میں چھپے۔ دوستوں کو میری یاد دہانی کرادیں اور کہہ دیں کہ اگر ہو سکے تو مجھے بھول جائیں۔

آپ کا "لاجپت رائے"

مندرجہ ذیل دو چٹھیاں ۲۲ جون کی لکھی ہوئی ہیں۔ اور ان میں سے ایک اسی دوست کے نام ہے۔

مانڈلے - ۲۲ جون ۱۹۰۷ء

میرے پیارے ماسٹر شام لال جی - یہ چٹھی لالہ ہری لال کو پڑھکر سُنا دیں لالہ ہری لال اور ان کے بھائی کو یاد دلادیں۔ کہ انہوں نے پیارے لال کو کسی کام پر لگا دینے کا اقرار کیا تھا۔ اب وقت ہے کہ پیارے لال کوئی کام شروع کرے اور اپنے اور اپنے کُنبہ کے لئے کمائی کرے۔ یہ امر نہایت ضروری ہے اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ لالہ ہری لال جو کچھ کر سکتے ہوں اس سے دریغ نہ کرینگے۔ مجھے اطلاع دیں۔ کہ وہ کیا تجویز کرتے ہیں۔ پیارے لال کے متعلق جو فیصلہ وہ کریں اس سے پیارے لال کو اطلاع دیں۔

آپ کا۔ "لاجپت رائے"

دوسری چٹھی پیارے لال کے نام ہے۔ اور اس میں اس کی آئندہ

زندگی کے متعلق ہدایات درج ہیں۔ اس چٹھی کے پہلے حصہ میں اس کو ہری لال کی چٹھی سے اطلاع دی گئی ہے اور دوسرے حصہ میں لکھا ہے۔ کہ اگر لالہ ہری لال کوئی کام اس کے لئے تجویز نہ کرسکیں تو اسکو کیا کرنا چاہیئے۔ چٹھی کا یہ حصہ ذیل میں درج ہے۔

مانڈلے۔ ۲۲ جون ۱۹۰۸ء

عزیزم پیارے لال

اگر دو ہفتہ کے اندر لالہ ہری لال تم کو کسی کام پر نہ لگا سکیں۔ تو اپنے چچا کے ساتھ کاروبار میں شریک ہو جاؤ۔ اس نے ایک چٹھی میں تمہارے ساتھ شریک ہونا منظور کر لیا ہے مجھے یقین ہے۔ کہ تم دونوں اچھی طرح نباہ کرسکو گے۔ اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ تم دُنیا کا تجربہ حاصل کر لوگے اور ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے لگ جاؤ گے۔ ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے اور جہاں تک ہو سکے ایک دوسرے کے کام میں بہت کم دخل دینے کے برابر کوئی بات نہیں۔ معاف کرنے۔ درگذر کرنے اور ایک دوسرے کی نسبت فیاضانہ سلوک کرنے کی عادت حمدہ تعلقات قایم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ ہم ہندوستانیوں میں تنگ خیالی سارے جھگڑوں اور تنازعوں کے لئے ذمہ وار ہے۔ ہر ایک نوجوان بلکہ ہر ایک انسان کے لئے لازمی ہے۔ کہ وہ عوام کی طرف سے محبت اور عزت حاصل کرے۔ اور کسی دباؤ یا امتحان کے وقت بھی اپنی ان عادات پر ثابت قدم رہے۔ یہ معلوم کرنے سے مجھے خوشی ہوئی۔ کہ تم نے اپنی ہمشیرہ کی تعلیم کے لئے پنڈت رکھی راج جی کو مقرر کر دیا ہے۔ میں اسکو نہایت ضروری

خیال کرتا ہوں۔ جے چند (میرے داماد) کے فوت ہونے پر ہی میں نے یہ
ارادہ پختہ کر لیا تھا۔ مگر تازہ غم دور ہوتے تک اس پر عمل کرنا ملتوی رکھا
تھا۔ اچھی تعلیم اس بد قسمت لڑکی کے رنج و غم کو ہلکا کرنے میں بہت کام
دیگی۔ اچھے اخبارات۔ کتابیں اور رسالے اسے منگوا کر دیتے رہو جے چند
کی وفات کے بعد یہ بات میرے خیال میں تھی۔ اور اسی لئے پچھلی دفعہ جب میں
الہ آباد گیا۔ تو اس کے لئے دو تین کتابیں لیتا آیا تھا۔
اس ہفتے مجھے خرابی جگر اور بدہضمی کی شکایت رہی ہے۔ مگر تشویش
کی کوئی بات نہیں۔ دوستوں کو میری نمستے کہہ دیں اور بچوں کو پیار دیں۔
تمہارا محب "لاجپت رائے"

مندرجہ ذیل چٹھی میں نے ۱۹ر جون کو ایک سٹوڈنٹ کے نام الہ آباد لکھی
اس نے ہمارے کالج سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ اور
الہ آباد میں امتحان وکالت کی تیاری کر رہا تھا۔

مانڈلے - ۱۹ر جون ۱۹۰۷ء

میرے پیارے سُندر لال۔ آپ کی مؤثر چٹھی ملی۔ دریافت حالات
کے لئے مشکور ہوں۔ ماسوائے اس کے کہ مجھے اپنے ہموطنوں کی خدمتگذاری
سے محروم کر دیا گیا ہے یوں میں ہر طرح راضی خوشی ہوں میں حسب معمول
اُمید سے بھرپور ہوں اور میرا پکّا وشواس ہے کہ پرماتما ہی ہماری حالت کے
ڈھالنے والے ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں ہمارے ہی بھلے کے لئے
کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ میں کرموں کے پھل کا ماننے والا ہوں

اپنے مسلمان دوستوں کی قسمت کا قایل نہیں۔ یہ عین مہربانی ہے کہ آپ اور دوسرے دوست مجھے یاد کرتے ہیں۔ مگر ایک بات یاد رکھیں کہ اگر آپ نے اس سال امتحان پاس نہ کر لیا تو مجھے بڑا رنج ہوگا۔

پنڈت مالوی جی سے خود ملیں۔ اور میری طرف سے آداب کہیں۔ مجھے بعض اوقات یہ خیال کرنے سے افسوس ہوتا ہے۔ کہ میں نے آخری دفعہ الہ آباد جانے سے انہیں ناراض کر لیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ انہوں نے مجھے معاف کر دیا ہوگا۔ کیونکہ میں نے جو کچھ کیا ٹھیک نیتی سے کیا تھا۔ اور اس لئے کسی عذر خواہی کی ضرورت نہیں"۔

ایک اور چٹھی مورخہ ۵ جولائی ۱۹۰۸ء میں مندرجہ ذیل فقرات درج تھے۔ میری صحت گذشتہ دو ہفتوں سے اچھی نہیں۔ جگر درست حالت میں نہیں اور بیخوابی کا عارضہ بھی تکلیف دے رہا ہے۔ بہر حال تشویش کا کوئی موقعہ نہیں

مندرجہ ذیل چٹھی ۱۰ جولائی کو لکھی گئی۔

عزیزم پیارے لال

اب میری حالت قدرے بہتر ہے۔ یہاں موسم کی حالت تغیر پذیر ہو رہی ہے۔ سخت آندھیاں چلتی ہیں۔ کبھی کبھی برس بھی جاتا ہے۔ موسم کی حالت عموماً غیر مقررہ ہے اور بدلتی رہتی ہے۔ میں کافی احتیاط سے کام لے رہا ہوں۔ فکر کی کوئی وجہ نہیں۔ ریویو آف ریویو مجھے بھیجنا بند کر دو۔ کیونکہ یہ مجھے پہنچایا نہیں جاتا۔ معمولی کاروباری باتوں کے سوا کسی

شخص کو مجھے کچھ نہیں لکھنا چاہیئے۔ جس چٹھی میں پولٹیکل معاملات یا میری گرفتاری وغیرہ کا ذکر ہو۔ وہ مجھے نہیں پہنچ سکتی۔

تمہارا محب "لاجپت رائے"

چٹھی مورخہ ۲۲ جون کے جواب میں کہ جو میں نے حصار میں ایک دوست کو لکھی تھی۔ مجھے یقین دلایا گیا۔ کہ وہ پیارے لال کو کسی کام پر لگا دینے کے لئے مدد کرنے پر آمادہ ہے۔ اور کہ اس کو اس کام سے پوری ہمدردی ہے۔ یہ دوست انگریزی نہیں جانتا تھا۔ اس لئے چٹھی کا جواب ایک دوسرے جنٹلمین نے اس کی طرف سے لکھا تھا۔ اور اس نے کامل نیک نیتی سے بطور خود مجھے یقین دلایا۔ کہ سمجھدار لوگوں کو میرے بیٹوں سے پوری ہمدردی ہے۔ اس سے مجھے رنج پہنچا۔ اور میں نے مندرجہ ذیل چٹھی جواباً تحریر کی۔

مانڈلے۔ ۱۴ جولائی ۱۹۰۷ء

میرے پیارے ماسٹر شام لال جی

آپ کی چٹھی اور اس میں مندرجہ مضمون کے لئے شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن آپ کی چٹھی کے اس حصہ کے متعلق کہ جس میں آپ نے سمجھدار لوگوں کی ہمدردی میرے بیٹوں کے ساتھ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اگر میں آپ کا شکریہ ادا نہ کروں تو آپ مجھے معاف کرینگے۔ یہ فقرہ شکریہ سے مستثنے ہے۔ اگر میرے بیٹے لوگوں کے اس خیال سے کوئی فائدہ اُٹھانا چاہیں تو میں انہیں نفرت کرونگا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ کسی دوسرے کی مدد کے بغیر خود اپنی محنت سے روٹی کمائیں۔

یہہ سچ ہے کہ میں نے پیارے لال کے متعلق کوئی کوشش کرنے کے لئے لالہ چندولال سے کہا تھا ۔ کیونکہ ہم نے عرصہ ہوا اسکے متعلق ایک تجویز کا فیصلہ کیا تھا ۔ لالہ چندولال کے ساتھ ذاتی تعلقات کی وجہ سے مجھے لالہ چندولال پر دعوےٰ ہے ۔ اور متذکرہ بالا خیال کو اس میں کوئی دخل نہیں ۔ دوسروں کو میری چٹھی دکھانا مناسب نہ تھا ۔ براہ مہربانی اس بات کو بُرا نہ مانیں ۔ یہ خط وکتابت بالکل پرائیویٹ اور شخصی تھی ۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس معاملہ کے متعلق آیندہ کسی سے کچھ ذکر نہ کریں ۔ میرے بیٹے اپنے لئے روٹی کمانے کے ہر طرح قابل ہیں ۔ علاوہ بریں وہ سب کے سب ناکتخدا ہیں اور اپنی کمائی پر بہت تھوڑے میں گذارہ کر سکتے ہیں اس لئے مجھے ان کا کوئی زیادہ فکر نہیں ۔ اس معاملہ میں میں بالکل بیفکر ہوں ۔ میں نے اتنا بھی اسلئے لکھا تھا کہ اچانک علیحدگی کے باعث کوئی بندوبست کسی امر کے متعلق ممکن نہ ہو سکا ۔ جب آپ حصار آئیں تو یہ چٹھی لالہ ہری لال اور پنڈت لکھپت رائے کو دکھلا دیں ۔ میری حالت بہتر ہے ۔

آپ کا ۔ "لاجپت رائے"

۱۵ جولائی کو میں نے ایک چٹھی لکھی اس میں ایک فقرہ یہ تھا ۔

"جن حالتوں کو ہم بدل نہیں سکتے ان کے لئے کُڑکُڑانا لاحاصل ہے اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکے انہیں اچھی روشنی میں قبول کرنا چاہیئے"

۲۷ جولائی کو ایک چٹھی بنام پیارے لال میں لکھا تھا ۔

"میری صحت اعتدال پر نہیں رہی ۔ مگر اب اچھا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ میں اپنی کسی رائے پر تمہیں مجبور کرنا نہیں چاہتا ۔ خانگی معاملات کا انتظام اپنے

دادا کی صلاح سے تمہیں ہی کرنا چاہیئے۔

۸ اگست کو ایک چٹھی میں میں نے اپنے دوست سردار خزان سنگھ وغیرہ کے متعلق دریافت کیا۔ یہ وہی سردار خزان سنگھ بیرسٹرایٹ لاہیں جو مقدمہ بلوہ راولپنڈی میں منجملہ قانون پیشہ ملزموں کے ایک تھے۔

۱۱ اگست کو میں نے خانگی معاملات کے متعلق ایک چٹھی لکھی۔ یہ پیارے لال کے نام ہے۔ اس میں درج تھا۔

"جو انتظام تمہاری والدہ اور تمہاری طرف سے کیا جائے۔ میں اس میں کوئی دخل نہیں دینا چاہتا۔ کیونکہ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کسی کی مرضی ہو وہ کام کرے۔ تمہاری شادی کے متعلق میری رائے کو کوئی دخل نہیں یہ معاملہ کلیتہً تمہارے دادا کے ہاتھ میں ہے"۔

اسی چٹھی میں پیارے لال کو نصیحت کی گئی تھی۔ کہ

"خست کی عادت نہ ڈالنا۔ بھائی بہن جو مانگیں انہیں دو۔ اپنی آمدنی میں خوش اور قانع رہو۔ اور دان دینا کبھی فراموش نہ کرو"۔

۱۶ اگست کو لکھا۔

"فی الحال وہ مجھے گھر سے نوکر منگوانے کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد میں پھر اسکے لئے کوشش کرونگا"

۲۰ اگست کو میں نے ایک چٹھی میں شکایت کی۔ کہ ایک عرصہ سے پتاجی نے مجھے کوئی خط نہیں لکھا۔ حالانکہ میں ہر ہفتے ان کی سیوا میں خط ارسال کرتا ہوں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو۔ کہ انہیں انگریزی میں چٹھی لکھنے والا نہیں ملتا۔ اگر یہ بات ہو تو ان سے کہہ دیں کہ اردو میں ہی لکھ

بھیجا کریں۔
۲۴ اگست کو جو چٹھی لکھی وہ پہلے کی کئی چٹھیوں کی طرح میری پُتری کے متعلق تھی۔
۲۷ اگست کو چٹھی لکھنے سے پیشتر سپرنٹنڈنٹ جیل نے پچاس روپیہ کا ایک منی آرڈر موصول ہونے کی اطلاع دی۔ یہ منی آرڈر میرے بھائی جی نے بھیجا تھا۔ اور پتاجی کی ہدایت تھی۔ کہ یہ رقم دان کر دی جائے۔ اس کے متعلق مَیں نے پیارے لال کو لکھا۔
"لالہ رنپت رائے نے پتاجی کی طرف سے پچاس روپیہ کا منی آرڈر دان کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اس سے مجھے ایک گونہ حیرت ہوئی۔ کیا میں یہاں دان کرنے کا مناسب انتظام کرنے کے قابل ہوں؟ تاہم پتاجی کی سیوا میں میری طرف سے شکر گذاری کا اظہار کرنا۔ یہ رقم میرے اپنے روپیہ میں سپرنٹنڈنٹ کے پاس جمع کر دی گئی ہے۔ اور اسکا ایک حصہ یعنے پچیس روپے کچھ تو سپرنٹنڈنٹ کی معرفت اور کچھ اس کی منظوری سے ملازم کے ذریعے دان کر دیئے گئے ہیں۔
ایک چٹھی مورخہ ۱۴ اگست میں جو لالہ شام لال کے نام تھی مَیں نے لکھا کہ مَیں راضی خوشی اور حالت موجودہ پر قانع ہوں۔
۱۷ ستمبر کو میں نے مندرجہ ذیل چٹھی پیارے لال کو لکھی
عزیزم پیارے لال۔
تمہاری چٹھی مورخہ ۱۳ ستمبر ملی۔ شکر ہے مَیں اچھا ہوں۔ صرف قدرے بےخوابی کی شکایت ہے۔ اور اس کے لئے کوئی چارہ نہیں۔

۱۲ بجے دوپہر سے لیکر رات ۱۲ بجے تک یہاں عموماً سخت گرمی پڑتی ہے
اس کے بعد خنکی ہو جاتی ہے۔ صبح کا وقت خوشگوار ہوتا ہے۔ پچھلے
دنوں یہاں قریباً ہر روز بارش ہوتی رہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہاں
آخر اکتوبر تک برسات کا موسم رہتا ہے۔ چند روز ہوئے مجھے لالہ چندولال
کا خط موصول ہوا۔ اس میں انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ تمہارے متعلق
توقف کا کیا باعث تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ خود تکلیف میں ہیں۔
میری رائے میں یہ بہتر ہوگا۔ کہ تم اور تمہارا چچا "مشترکا" کام کرو۔ اور ایک
ہی جگہ اکٹھے رہو۔ ایسی صورت میں تم بوقت ضرورت ایک دوسرے کی
مدد کرنے کے قابل ہو سکو گے۔ چونکہ تم اب آزاد ہو اسلئے تمہیں اپنے
متعلق خود فیصلہ کرنا چاہیئے۔ میں تمہارے متعلق امور کا فیصلہ نہیں
کرنا چاہتا۔ امید ہے کہ پتاجی تشریف لے آئے ہونگے۔ اگر آ گئے ہوں
تو میری طرف سے ان کی سیوا میں دست بستہ نمستے عرض کریں۔ میں
نے اسی خیال سے کہ وہ تمہارے پاس ہونگے انہیں اس ہفتے خط نہیں
لکھا۔ مجھے شاید اس کے متعلق زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ
حتی المقدور ہر طرح ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔
کیونکہ بزرگوں میں وہی زندہ نشانی ہمارے درمیان موجود ہیں۔
"تمہارا محب۔ لاجپت رائے"
بھگت جی کو میری نمستے کہہ دیں۔ پرارتھنا میں میں کئی دوستوں کے
نام لیا کرتا ہوں"۔
جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ صرف مندرجہ ذیل چٹھی ہی ایک

ایسی چھٹی ہے کہ جس میں کمزوری کی حد تک بڑھی ہوئی نرم دلی کا اظہار کیا
گیا ہے۔ یہ چھٹی لکھ کر مجھے افسوس ہوا اور روانہ کرنے سے پہلے خیال
پیدا بھی ہوا کہ اسکو چاک کر دینا چاہیئے۔ لیکن آخر کار یہ روانہ کر ہی دیگئی
سوائے آخری حصہ کے جو میرے بھائی کے کاروبار اور دیگر معمولی
باتوں کے متعلق ہے۔ ساری چھٹی ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

مانڈلے۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء

پیارے پتا جی

اس خیال سے کہ آپ لاہور آ گئے ہونگے میں نے یہ خط آپ کو لاہور
کے پتہ پر لکھا ہے۔ آپ کا ۱۳ ستمبر کا لکھا ہوا کرپا پتر موصول ہوا۔
آپ نے دریافت فرمایا ہے۔ کہ میں اپنا وقت کس طرح کاٹتا ہوں اور
کہ میں ایک مشرح اردو گیتا کی تیاری کا کام ہاتھ میں لے سکتا ہوں؟
سوال اول کے متعلق یہ ارشاد ہے۔ کہ صبح کا وقت میں دھارمک
پُستکوں کے مطالعہ میں گذارتا ہوں۔ پنڈت آریہ مُنی کی مرتبہ گیتا ایک
بار پڑھ لی ہے اور ریسیچ آف دید از مرتبہ لالہ گوکل چند جی کا بھی بہت
سا حصہ دیکھ چُکا ہوں۔ اب پنڈت راجہ رام جی کا تیار کردہ یوگ درشن
مطالعہ کر رہا ہوں اور قریباً نصف کے پڑھ لیا ہے۔ علاوہ بریں زمانہ
سے دو نظمیں روزانہ پڑھتا ہوں۔ بعد دوپہر کا وقت تاریخی کتب۔
ناولوں اور متفرق تصنیفات کے مطالعہ میں گذرتا ہے۔ اپنی رہائی
کے بعد۔ اگر کبھی رہائی ہوئی تو برہما کے متعلق ایک اردو کتاب لکھنے
کے لئے مختلف کتابوں سے ضروری یادداشتیں لکھی ہیں۔ نیز متفرق

طور پر بھی کچھ تحریری کام کیا ہے۔

دوسرے سوال کے متعلق عرض ہے۔ کہ انگریزی اور اردو میں گیتا پر ایک مضمون لکھنے کا ارادہ ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہاں بیٹھے ہوئے میں گیتا کا مشرح ترجمہ کرنیکا کام ہاتھ میں نہیں لے سکتا کیونکہ اس کے لئے یہاں ضروری کتابیں میرے پاس نہیں۔

ان دنوں میرا خاص شغل مطالعہ ہے۔ پرماتما کا دھنباد ہے کہ میں بلا روک ٹوک آزادانہ مطالعہ کر سکتا ہوں۔ ورنہ معلوم نہیں کہ وقت کیسے کٹتا۔ دوپہر کے بعد اور راتوں کو عموماً بہت گرمی ہوتی ہے۔ اور بعض دن سونا نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن صبح کے وقت عموماً خنکی ہوتی ہے۔ اس مہینے بارشیں ہوئی ہیں اور یہاں کے باشندے کہتے ہیں کہ اگلے مہینے (اکتوبر) کے خاتمہ تک برسات کا موسم رہتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آیندہ ہونے والی دو شادیوں کے متعلق ضروری تیاری میں آپ کو مدد دینے سے میں معذور ہوں میری دلی آرزو تھی۔ کہ وِدیا کے وواہ پر اسکو پیار دیتا۔ لیکن پرماتما کی جو لکھی نہیں جاتی۔ مجھے امید ہے کہ وِدیا کے وواہ پر سارے انتظام ٹھیک ہو نگے۔ اور آپ کے سر سے بڑا بھاری بوجھ ہلکا ہو جائیگا۔ مجھے یقین ہے کہ عزیز پیارے لال آپ کے کام میں ہر طرح معاون ہوگا اور حتی المقدور آپ کی خوشنودی حاصل کریگا۔ اب آپ لاہور میں ہیں۔ میری ساری کتابوں کو دھوپ دکھلا دیں۔ کیونکہ وہ مجھے ہر ایک شے سے زیادہ عزیز ہیں۔

خیال رکھیں کہ پیارے لال عزیزی پاربتی اور اس کے ننھے کے لئے
کپڑے وغیرہ ہر ایک ضروری شے کا تو خیال رکھتا ہے۔ جلا وطنی
میں سب سے زیادہ اُس کی یاد میرے دل میں ہے۔ اور اس کی
تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھرتی ہے۔ بعض اوقات میں محسوس
کرتا ہوں کہ ایک ایسے شخص کے ساتھ اس کی شادی کر کے کہ جس کی
کامل صحت پر شُبہ کیا جاتا تھا۔ میں نے پاپ کیا ہے۔ بیچاری غریب
کنیا کے لئے مجھے دلی رنج اور محبت کا احساس ہے۔ کرپا کر کے
اس کے ساتھ بڑی محبت کا برتاؤ کریں۔ اور میری طرف سے پیار دیں
اس کے ساتھ مہربانی کا سلوک کر کے آپ مجھ پر کرپا کرینگے۔ اگر میرے
آنسو اس کی مصیبت کو ہلکا کر سکتے ہیں تو میں اس کے لئے کثرت سے
آنسو بہاتا ہوں۔ اپنی اولاد میں سے صرف اسی کے لئے میں رو رہا ہوں
اگر میں نے اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کیا ہے تو میری دھوا بہنری کے
ساتھ مہربانی کا سلوک کر کے وہ اس کا بدل دے سکتے ہیں۔ میری دلی
آرزو ہے کہ اسکوبڑ جانے پر روپیہ یا محنت کا خیال نہ کیا جائے تاکہ وہ
مطالعہ سے اپنا غم غلط کرنے کے قابل ہو سکے۔ میں محسوس کرتا ہوں
کہ اس کے متعلق میں نے اپنے فرائض کبھی اچھی طرح انجام نہیں
دیئے۔ غیر معمولی طور پر اظہار جذبات کے لئے معاف کریں۔ بخشی
ٹیک چند جی کے خسر پورہ کی وفات کی خبر نے میرے زخموں کو تازہ
کر دیا ہے۔ ان کی چٹھی مجھے کل ملی ہے اور میں کل ہی سے اُداس
اور رنجیدہ خاطر ہو رہا ہوں۔ جو کچھ میرے دل میں تھا۔ میں نے

آپ کی سیوا ہیں لکھ دیا ہے۔ اس لئے میری حالت درست ہو جائیگی اور
آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں"

آپ کا محب "لاجپت رائے"

(نوٹ) میں نے یہ چٹھی ساڑھے آٹھ بجے لکھی تھی۔ اب ساڑھے
گیارہ بجے ہیں۔ میں اب بالکل خوش ہوں۔ اور آپ کو میرے لئے
متفکر ہونے کی ضرورت نہیں"۔ جواب میں مجھے پتا جی سے تسلی بخش
چٹھی موصول ہوئی اور اس نے میری ہمت کو تازہ کر دیا۔

مندرجہ ذیل چٹھی ۳۰ اکتوبر کو لکھی گئی

مانڈلے ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء

میرے پیارے ماسٹر شام لال جی

آپ کی اور لالہ ہری لال جی کی چٹھی موصول ہوئی۔ میں تندرست ہوں
اگرچہ تنہائی میں فضول اور یاس انگیز زندگی گذار رہا ہوں۔ اگر آپ
میرے دوستوں کے متعلق غیر پولیٹیکل خبریں مجھے بھیج سکیں تو میں ممنون
ہونگا۔ گھر سے مجھے رسالے وغیرہ معقول تعداد میں پہنچ رہے ہیں
کیونکہ آجکل میرا شغل مطالعہ ہی ہے۔ پچھلے دنوں یہاں خاصی
بارشیں ہوئیں اور مجھے امید ہے کہ موسمی ہوا سے آپ کو بھی کافی حصہ ملا
ہوگا۔ اگر اس سال کی فصل نہ ہوئی تو حالت قابل رحم ہو جائیگی
یہاں بعد دوپہر گرمی پڑتی ہے۔ رات کے ابتدائی حصہ میں بھی گرمی ہوتی
ہے۔ مگر صبح خاصی سردی ہو جاتی ہے۔ لالہ چوڑامنی کو جلدی ہی اپنے لخت جگر

کو گلے لگانے کی خوشی نصیب ہوگی - وہ جہاں ملیں میری طرف سے آداب عرض کریں - انہیں اپنے کام میں محتاط رہنا چاہیئے - عزیز ہری کشن دت کو میرا پیار دیں - مجھے یہ خیال کر کے رنج ہوتا ہے کہ اگلے مہینے جب وہ میری بھتیجی کو بیاہنے جائیگا - تو مَیں اسکا استقبال کرنے کو موجود نہ ہونگا - لیکن پرماتما سے پرارتھنا کرونگا - کہ اس جوڑے پر برکت نازل کرے - سب دوستوں کو نمستے

آپ کا صادق "لاجپت رائے"

ایک چٹھی مورخہ ۲۹ اکتوبر میں مَیں نے پیارے لال کو لکھا
یورپ کی تاریخ اور تہذیب کے متعلق مَیں کچھ یادداشتیں لکھنا چاہتا ہوں - اور جلدی ہی لکھنا شروع کر دونگا - بابو جی سے دریافت کریں کہ کون سی کتابیں مجھے ضروری اور مکمل واقفیت سے آگاہ کر سکیں گی یہ کتابیں اگر لاہور سے مل سکیں تو لیکر بھیج دیں - ورنہ ان کی فہرست بنوا کر مجھے ارسال کریں :

تمہارا - لاجپت رائے"

---

۹ نومبر کو مَیں نے ایک چٹھی میں پیارے لال کو موسم سرما کے لئے کپڑے بھیجنے کو لکھا - اس چٹھی میں یہ بھی لکھا تھا - کہ دس پونڈ ایک دوست کو انگلنڈ میں کتابیں خرید کرنے کے لئے بھیجدیئے جائیں اور کتابوں کی فہرست براہ راست بھیجی جا چکی ہے -

ملہ پرماتما کی ... مقصد حاصل ہوگیا - ۱۰ نومبر کو برات آئی اور اسی رات کو برات سے پہلے

خط وکتابت اور چند آخری چٹھیوں سے ناظرین کے دلوں میں ایک خیال پیدا ہوا ہوگا۔ کہ مجھے اس قدر جلدی رہا ہونے کی اُمید نہ تھی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ شروع سے ہی میرا خیال تھا۔ کہ میری قید کا زمانہ طویل نہیں ہو سکتا۔ مجھے معلوم تھا۔ کہ گورنمنٹ نے رعایا کے خیالات سے ناواقفیت کے باعث سخت گھبراہٹ میں یہ فعل کیا ہے مجھے یقین تھا کہ گورنمنٹ جلدی ہی اپنی غلطی معلوم کر لیگی۔ اور پارلیمنٹ میں ہندوستان کے دوست گورنمنٹ کو عرصہ تک جبر و سختی کی پالیسی پر عامل نہ رہنے دینگے۔

مقدم خیال یہ تھا کہ راولپنڈی اور لاہور کے مقدمات بلوہ فیصلہ ہونے سے پیشتر مجھے رہا نہ کیا جائیگا اور اگر کسی تازہ شورش سے تاخیر کا موقعہ نہ ہوا تو چیف کورٹ سے ان مقدمات کا آخری فیصلہ ہو جانے کے جلدی ہی بعد مجھے چھوڑ دیا جائیگا۔ اس خیال سے میری توجہ ان مقدمات کی طرف لگی تھی۔ مجھے یقین تھا۔ کہ خواہ جھوٹی شہادتیں بنانے میں کیسی کوشش کیوں نہ کی جائے اور مجھے ان بلوؤں میں ملوث کرنے کے لئے کیسی ہی جھوٹی کہانیاں کیوں نہ تراشی جائیں اور کتنے ہی جھوٹے بیان کیوں نہ کرائے جائیں وہ سب بیہودہ ثابت ہونگے۔ مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔ کہ مَیں نے کیا کیا ہے اور کیا نہیں کیا۔ مَیں نے جو کچھ کیا۔ علانیہ کیا۔ اور کھلے میدان کیا۔ اور جو کیا اسکو مخفی رکھنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ اور بلا تامل اس کی ذمہ واری اپنے سر لینے پر ہر دم آمادہ تھا۔ اگرچہ مَیں اچھی طرح

جانتا تھا۔ کہ اس مُلک کی راشی پولیس کوئی بات اور ہر ایک بات خواہ اس کا کوئی وجود نہ ہو ثابت کر سکتی ہے۔ لیکن میرے اندر سے آواز آرہی تھی۔ کہ آخر کار "ست کی جے" ہو گی۔ اور حُکام نے اپنے ماتحتوں کے ہاتھوں جو دھوکا کھایا ہے اس کے لئے انہیں خود بخود شرمندہ ہونا پڑیگا۔ راولپنڈی کے مقدمہ میں قانون پیشہ ملزموں کی بریّت کا مجھے ایسا ہی یقین تھا۔ جیسا کہ ہر روز طلوع آفتاب کا۔ ان کے بری ہونے کی خبر سے مَیں نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ کہ میری رہائی بھی اب قریب ہے۔ میرا قیاس تھا۔ کہ میری رہائی کا حکم شملہ میں گورنمنٹ ہند کے دفاتر بند ہونے کے قریبی زمانہ میں صادر کیا جائیگا۔ شملہ چھوڑنے سے پیشتر گورنمنٹ میرے معاملہ پر نظر ثانی کر کے غالباً میری رہائی کا حکم دیدیگی۔ اس لئے وسط اکتوبر سے لیکر ۹ رنومبر تک مَیں امید و بیم کی حالت میں تھا۔ ۲۴ اور ۲۵ راکتوبر کے اندراجات ڈایری سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دل کی حالت غیر معین ہے اور تحریری کام میں جی نہیں لگا۔ ۳۰ راکتوبر تک اسی قسم کی یادداشتیں لکھی ملتی ہیں۔ آخری اندراج یہ ہے۔ کہ امید و بیم کی وجہ سے دل میں بیقراری سی موجود ہے۔ ۲ رنومبر کا اندراج ہے۔ کہ "جو امید تھی وہ دُور ہو رہی ہے۔ اور اس لئے دل بیقرار ہے"۔ دل کی یہ کیفیت تکلیف دِہ ہو رہی تھی۔ ۴ رنومبر کو وہ ناگوار واقعہ پیش آیا۔ کہ جس کا ذکر قبل ازیں ہو چُکا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل کی بدسلوکی سے طبیعت پر رنجدہ اثر تو ہو ہی رہا تھا۔ رہائی کے متعلق خبر آنے سے مایوسی نے اس پر مزید اضافہ کر دیا۔

میں نے سُنا تھا۔ کہ وائسرائے ۱۸ نومبر کو شملہ سے روانہ ہو نگے۔ اور کونسل کا آخری اجلاس ۴ نومبر کو ہو گا۔ اس سے قیاس پیدا ہوتا تھا۔ کہ رہائی کے احکام ۵ نومبر کو جاری ہو نگے اور ۹ نومبر تک حکم یہاں پہنچ جائیگا۔

۷ نومبر کو امید کی ایک نورانی شعاع تاریک اُفق پر نمودار ہوئی۔ اس تاریخ سپرنٹنڈنٹ نے بتلایا۔ کہ گورنمنٹ آیندہ میرے بوٹ وغیرہ پہ خرچ نہیں کرنا چاہتی اور مجھے اپنے روپیہ سے اپنے لئے بوٹ اور جُوتیاں خریدنے کا انتظام کرنا چاہیئے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ موسم سرما کے جو کپڑے وغیرہ تیار ہو چکے ہیں۔ ان کی لاگت بھی مجھے ہی دینی ہوگی سپرنٹنڈنٹ کے جاتے ہی میں نے سارجنٹ متعینہ سے کہہ دیا۔ کہ سپرنٹنڈنٹ کے احکام رہائی کا پیش خیمہ ہیں۔

دوسرے دن سپرنٹنڈنٹ نے پہلے دن کے احکام کی تاویل کرنا چاہی۔ اور ظاہر کیا۔ کہ اس سے حساب میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ اور اسی لئے حساب محکمہ کنٹرولر جنرل سے واپس ہوا ہے۔ کپڑوں اور بوٹ وغیرہ پر جو کچھ خرچ ہوگا وہ شاید آپ کو ادا کرنا ہوگا۔ لیکن میں سپرنٹنڈنٹ کی ان باتوں میں نہ آیا اور امید لگی رہی کہ اب کسی نہ کسی وقت رہائی کا حکم پہنچنے والا ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ گورنمنٹ مجھے مانڈلے میں رہا نہیں کریگی۔ اور اس خیال سے کہ راستہ میں میرے اہل وطن کو مجھے آزاد دیکھ کر اظہار مسرت و جوش کا موقعہ نہ ملے لاہور لیجانے میں کامل اخفا سے کام لیا جائیگا۔ لیکن جب

۹ر نومبر کا دن رات میں تبدیل ہو گیا۔ تو مجھے مایوسی اور نا امیدی نے آ لیا۔ میں نے گھر کو کپڑوں کے لئے لکھا گویا کہ مجھے رہائی کی کوئی اُمید نہ تھی۔ ۱۱ر نومبر کی صبح میں آخری دفعہ شاہی باغات کی سیر کو گیا۔ یورپین سارجنٹ نے جو میری نگرانی پر تعینات تھا۔ شاہی محلات پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ وہ دکھانے کو میں اسے لیگیا۔ شاہی مینار پر چڑھ کر ہم نے شہر مانڈلے کی عمارتوں پر نظر ڈالی۔ واپس آکر پیارے لال کو ایک طویل چٹھی اس کے مستقبل کے متعلق لکھی۔ اس چٹھی کا کچھ حصہ ذیل میں درج ہے۔

مانڈلے۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۰۷ء

پربھ ور پیارے لال۔ کل شام کو تمہارا ۳ر نومبر کا لکھا ہوا اور پتا جی کا خط مورخہ ۳۰ر اکتوبر ملا۔ موخر الذکر خط سے معلوم ہوا کہ لالہ چندو لال اس سال آپ کے لئے ملازمت وغیرہ کا انتظام نہیں کر سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آیندہ سال تک منتظر رہنا چاہیئے۔ یہ خط میں دونوں چٹھیوں کے جواب میں لکھتا ہوں مجھے یقین ہے کہ اس کا مضمون تم پتا جی کو سنا دوگے۔ آپ کے لئے تین راستے کھُلے ہیں۔ مگر ان کا ذکر کرنے سے پیشتر میں یہ امر تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ تمہیں خود اپنے پاؤں کے سہارے کھڑا ہونا چاہیئے۔ دُنیا میں کوئی بات بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دوسروں کا سہارا لینے۔ اور دوسروں کی رضا جوئی۔ خوشنودی اور مراعات حاصل کرنا آخر کار مفید نہیں ہوا کرتا میرا اپنا خیال یہ ہے کہ کسی کا احسان سر پہ نہ لینا چاہیئے۔ ایک انسان

جو کسی دوسرے کی امداد لئے بغیر اپنی روٹی کما رہا ہے۔ خواہ اس کی کمائی کتنی ہی قلیل ہو میری نظروں میں قابل قدر انسان ہے۔ اگر تم قوت بازو سے صرف دال روٹی کما سکو۔ کسی کی امداد نہ ڈھونڈو اور کسی کا احسان سر پہ نہ لو تو یہ ساری عمر کے لئے اخلاقی طور پر حوصلہ افزائی کا موجب ہوگا۔ میں نہیں چاہتا۔ کہ تمہیں میرے دوستوں میں سے کسی کا ممنون احسان ہونا پڑے۔ میں کسی شخص سے یہ سننا نہیں چاہتا۔ کہ اس نے میرے بچوں پر احسان کیا۔ اسی خیال سے میں نے تمہارا کھنہ فیکٹری کا منیجر بنایا جانا منظور نہیں کیا تھا۔ تمہاری ناتجربہ کاری اور تجارتی معاملات سے ناواقفیت کے باعث اگر کوئی نقصان ہو جاتا تو مجھے زندگی بھر رنج رہتا۔ مجھے قبل ازیں اسی طرح جبکہ تمہارے ماموں میلا رام نے ایک کارخانہ لوہے کے منیجر کی حیثیت سے جس کے مالک میں اور میرے دوست تھے۔ کام شروع کیا تھا صدمہ پہنچ چکا ہے کوئی کام شروع کرنے کے لئے تمہیں کافی تعلیم ہو چکی ہے۔ اور اس کام پر کچھ روپیہ لگانے کو بھی موجود ہے۔ اگر پہلے دو سال تم کچھ نہ کما سکو تو مجھے کچھ خیال نہ ہوگا۔ اور اگر اس مدت میں قدرے خسارہ بھی ہو۔ تو کامیابی کے لئے کوشش کرنے میں برابر لگے رہو۔ خوش قسمتی سے تم میں کوئی عیب موجود نہیں۔ اور تم بہت تھوڑے میں گذارہ کر سکتے ہو۔ تمہاری شادی ایک ایسی کنیا کے ساتھ ہونے کو ہے۔ جس نے کسی فضول خرچ خاندان میں پرورش نہیں پائی۔ اور وہ بخوشی تمہارے خانگی معاملات کا انتظام کرنے میں

تمہارا ناخذ بتائیگی۔ تمہارے لئے اس کنیا کے انتخاب کرنے میں میرا یہی مدعا تھا۔ بحالات موجودہ تم کو بطور خود اپنے لئے کوئی کام شروع کرنا چاہیئے۔ وہ کام خواہ کیسا ہی ادنٰے پیمانے پر کیوں نہ ہو۔

کچھ دنوں سے میری صحت اعتدال پر نہیں۔ بیخوابی نے تنگ کر رکھا ہے اور بعض اوقات سر درد بھی ستاتا ہے۔ تاہم میں اچھا ہوں اور میری صحت کے متعلق کسی فکر و تشویش کی ضرورت نہیں۔ یہاں موسم سرد ہو رہا ہے۔ میں نے تمہیں کپڑے بھیجنے کے لئے لکھا ہے۔ مگر جلدی کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میں یہاں دو کمبل خریدنے کو ہوں اور فلالین کی قمیص وغیرہ کچھ کپڑے خرید بھی لئے ہیں۔

اسی دن سوا گیارہ بجے قبل دوپہر مانڈلے سے روانہ ہونا پڑا۔

اس باب کو ختم کرنے سے پیشتر یہ بیان کر دینا ضروری ہے۔ کہ اس اسیری کے زمانے میں بعض اوقات میں سخت اُداس ہو جاتا تھا۔ ورنہ عام طور پر اپنی حالت پر قانع اور شاکر تھا۔ اور اپنا وقت بلا رنج و فکر گذارنے کے لئے کوشش کرتا۔ ۱۳ر جولائی کے ایک اندراج سے معلوم ہوگا۔ کہ اس وقت میرے دل کی کیا کیفیت تھی۔

۱۳ر جولائی (سنیچر) افسوس کہ پرارتھنا کے سمے بھی من کو شانتی حاصل نہیں ہوئی۔ میں نے کئی دفعہ دل کو سمجھایا۔ کہ دنیا کے سارے دھندوں سے فارغ قلب۔ مطالعہ اور بہتر پری کام کرنے کے لئے پرماتما نے یہ موقعہ دیا ہے کیوں اس موقعہ کو شکر گذاری سے قبول نہ کیا جائے؟ اور کسی تشویش و فکر کو الگ رکھ کر کیوں نہ اس موقعہ کا بہترین استعمال ہو۔

بچوں کی محبّت ایسی گہری نہیں کہ وہ ادائے فرایض کی راہ میں روک ہوسکے
اِس لئے رنج و فکر اور تشویش کی کوئی وجہ نہیں۔ مصیبت تنہا تم پر ہی
نہیں آئی۔ ہزاروں انسانوں نے اسی راہ میں تم سے زیادہ مصیبتیں برداشت
کی ہیں بعض کو صرف اس لئے اذیّتیں دی گئیں کہ وہ نیکی کی تلقین کرتے
تھے جیسے سقراط۔ دلی کمزوری کا کیا کام ؟ دُنیا میں خود غرضی کا راج ہے
ہر ایک اپنے فایدے کی خاطر دوسرے کو دباتا ہے۔ انگریز بھی ایسا ہی کرتے
ہیں۔ انصاف پسندی اور صداقت شعاری کے لحاظ سے وہ فرشتے نہیں
دنیا کی حالت سدا ایک نہیں ہے"۔

اس یادداشت کے بعد جو یادداشت لکھی ہے۔ اس سے تسکین اور
دلی اطمینان کا پتہ چلتا ہے۔ ۳۰ر جولائی کو جبکہ لمبی سیر کی اجازت ملتوی
کی گئی دل کی حالت بہت مضطرب نہ تھی۔ اسدن کی یادداشت میں لکھا
ہے کہ یہ غیر معین حالت اور اس امر سے ناواقفیت کہ کیا ہونیوالا ہے
سخت تکلیف دِہ ہے۔ اسی طرح ۳ر اگست کی یادداشت میں لکھا
ہے۔ کہ اسارجنٹ متعینہ نے مجھے ایک واقعہ سُنایا۔ کہ ایک شخص نے
میری سی حالت میں حوصلہ ہار دیا۔ اور آخر کار پاگل ہوگیا۔ میں نے
اس کو جواب میں کہا۔ کہ جہاں تک ممکن ہوسکا میں اپنے حواس قایم
رکھونگا۔ اگر پرماتما کی مرضی کچھ اور ہو تو دوسری بات ہے۔ ۴ر اگست
کی یادداشت میں لکھا ہے۔ کہ کچھ دنوں سے باقاعدہ پرارتھنا اور
سوادھیا ر کرتا ہوں۔ پرماتما کا دھنیاد ہے۔ گذشتہ دو تین دنوں
سے میں وید منتر گائن کرتا ہوں اور اس سے میرے دل کو کمال خوشی

ملتی ہے۔

۱۳ اگست کی یادداشت ڈایری میں درج ہے کہ
"بوجہ علالت طبع میں بچین سا تھا۔ مگر قانع تھا۔ اب میں تنہائی سے مانوس ہو رہا ہوں۔ اور اب یہ پہلے کی طرح تکلیف دہ نہیں"۔

۲۴ اگست کو سپرنٹنڈنٹ جیل کے ساتھ تکرار ہونے سے دو دن بعد مجھے آریہ سماج اور دیانند اینگلو ویدک کالج کا خیال آیا۔ اور بعض اوقات دیگر خیالات دل میں اُٹھتے رہے۔ یہ خیالات کبھی تو مجھے اُداس کرتے تھے اور کبھی ان سے میرے دل میں امید پیدا ہوتی تھی

۱۵ اکتوبر کا دن کہ جس دن میرے دوست لالہ جیونت رائے کی میعاد قید ختم ہونے والی تھی میرے لئے مُسرّت کا دن تھا۔ اس دن میں نے خاص طور پر اس کی تندرستی کے لئے پرارتھنا کی۔

میں یہ ظاہر کر چکا ہوں۔ کہ آخری پندرہ روز میں نے رہائی کی اُمید میں کاٹے اس زمانے میں میرے دل پر امید و بیم کی حکمرانی تھی ؛

نانواں باب

متفرقات

عرضداشت } میں نے اپنی جلاوطنی کے خلاف اظہار ناراضگی اور اپنی رہائی کے متعلق دو میموریل ارسال کئے پہلا میموریل میں نے ۲۹ جون کو سپرنٹنڈنٹ جیل کے حوالے کیا۔ اس سے چند روز پیشتر مجھے معلوم ہوا تھا۔ کہ پارلیمنٹ میں ایک سوال وزیر ہند سے دریافت کیا گیا ہے۔ کہ آیا میں نے جلاوطنی کے خلاف اظہار ناراضگی کیا ہے۔ اور اگر کیا ہے۔ تو اس کا مضمون کیا ہے۔ اس سے مجھے یہ خیال کرنیکا موقعہ ملا۔ کہ پارلیمنٹ میں میرے دوست یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ جوابدہی کا موقعہ ملے بغیر اپنی جلاوطنی اور گورنمنٹ کی جابرانہ کارروائی کی نسبت میرے خیالات کیا ہیں۔ اسوقت تک میں نے اپنی رہائی کے لئے کوئی عرضداشت ارسال کرنے کا خیال نہیں کیا تھا۔ اگرچہ میں نے حکم گرفتاری کی نقل طلب

کر بھیجی تھی ۔ اور وہ وجوہات بھی دریافت کی تھیں کہ جو میری گرفتاری اور جلاوطنی کا باعث قرار دی گئیں ۔ اس کے جواب میں مجھے سپرنٹنڈنٹ جیل نے وارنٹ مورخہ ، رمئی ۱۹۰۷ء کی نقل بہم پہنچادی ۔ جس میں درج تھا کہ شاہ وقیصر ہند کی سلطنت میں بدامنی رد کرنے کی غرض سے مجھے گرفتار اور جلاوطن کیا گیا ہے ۔ وارنٹ مذکور کی نقل ذیل میں درج ہے ۔

صیغہ داخلیہ ۔ ہندوستان

بنام سپرنٹنڈنٹ جیل مانڈلے

ہرگاہ بوجوہات کافی نواب گورنر جنرل باجلاس کونسل لاجپت رائے پسر راد ہاکشن کا جیل مانڈلے میں زیر حراست رکھا جانا ضروری خیال کرتے ہیں ۔ اس لئے تمہارے نام حکم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا شخص کو اپنی حراست میں لیکر حسب احکام نواب گورنر جنرل باجلاس کونسل و ہدایات ریگولیشن ۳ ۱۸۱۸ء اس کے ساتھ سلوک کرو۔

بحکم نواب گورنر جنرل باجلاس کونسل

ایچ ایچ ازلے ۔ سکرٹری گورنمنٹ ہند

صیغہ داخلیہ ۔ ، مئی ۱۹۰۷ء

علاوہ بریں میں نے وقت کاٹنے اور مطالعہ کے لئے اخبارات دیکھنے کی اجازت بھی طلب کی ۔ مگر حکام مقامی نے اسکو منظور نہ کیا ۔ مجھے اس انکار کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی تھی ۔ میں نے اس انکار کو حکام مقامی کی تنگدلی پر محمول کیا ۔ اور چونکہ اس انکار کے متعلق بیرونی دنیا سے خط و کتابت کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا ۔ اس لئے سپرنٹنڈنٹ جیل کو

کو ایک چٹھی لکھ کر دریافت کیا۔ کہ آیا گورنمنٹ ہند کا بھی یہی منشا ہے۔ اس
نے میری چٹھی حکام بالا دست کے پاس ارسال کر دی۔ اور ۲۲ر جون کو
مجھے سرکاری اطلاع پہنچائی گئی کہ حکام بالا دست بھی یہی رائے رکھتے
ہیں۔ اور اس لئے مجھے کوئی اخبار دیکھنے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔
اخبارات کی عدم موجودگی سخت رنجدہ تھی۔ میں یہ معلوم کرنے کا قدرتاً خواہشمند
تھا۔ کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ چند روز پیشتر میں نے ریگولیشن نمبر ۳ سنہ ۱۸۱۸ع
کی ایک کاپی گھر سے لکھ کر منگوائی تھی۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ جیل نے جب تک
اس کے متعلق گورنمنٹ برہما سے خاص اجازت حاصل نہ کر لی۔ یہ کاپی
مجھے نہ دی۔ اجازت حاصل کرنے کے بعد ۱۹ر جون کو یہ کاپی میرے
حوالے کی گئی۔ میں نے اسکو غور سے پڑھا۔ لیکن اخبارات کی رکاوٹ کے
متعلق اس میں کوئی ہدایت نہ تھی۔ اس لئے میں نے اس رکاوٹ نیز
اپنی ناجائز گرفتاری اور جلاوطنی کے خلاف گورنمنٹ ہند کے پاس
میموریل بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔ اور اسی دن میموریل کا مسودہ لکھ لیا۔ صاف
کاپی لکھنے سے پیشتر میں نے یہ مسودہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو پڑھ کر سنایا کہ اس
کو کوئی اعتراض تو نہیں۔ اس نے مجھے صلاح دی۔ کہ صحت کے متعلق حصہ
اور میموریل میں آخری درخواست حذف کر دینی چاہیئے۔ مگر میں اس
کی رائے سے متفق نہ ہو سکا۔ افسوس ہے کہ اصل میموریل کی صحیح
نقل موجود نہیں۔ ۲۰ جولائی کو صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل نے گورنمنٹ
برہما کو بھیجنے کے لئے اس میموریل کی ایک نقل مجھ سے مانگی اور میں
نے اپنے حافظہ کی مدد سے قریباً سارا میموریل لکھ دیا۔ اب بھی

یَں اپنی یادداشت سے اپنے ہموطنوں کی آگاہی کے لئے یہ میموریل پھر لکھتا ہوں۔ کہیں کہیں شاید کوئی لفظ اِدھر اُدھر ہو تو ہو ورنہ مندرجہ ذیل میموریل اس میموریل کا صحیح عکس ہے۔ وہو ہٰذا

بحضور ہز ایکسلنسی وایسرائے وگورنر جنرل ہند

حضور والا۔ سایل مانڈلے۔ ملک برہما کے فورٹ ڈفرن میں اسیر سلطانی ہے۔ اس وارنٹ کی رُو سے جو حضور نے باجلاس کونسل زیر ریگولیشن ۳ سنہ ۱۸۱۸ء ۷ مئی سنہ ۱۹۰۷ء کو جاری کیا۔ سایل کو گرفتار کیا گیا۔ نہ تو گرفتاری سے پیشتر اور نہ ہی گرفتاری کے بعد سایل کو اُس الزام یا الزامات سے آگاہ کیا گیا۔ کہ جن کی بنیاد پر زیر ریگولیشن نمبر ۳ سنہ ۱۸۱۸ء سایل کے خلاف کارروائی کا حکم دیا گیا۔

سایل نے کوئی ایسا فعل دانستہ نہیں کیا۔ اور نہ کسی ایسے فعل کا اقدام کیا کہ جس سے اس پر ریگولیشن نمبر ۳ کا اطلاق ہو سکے۔ سایل مؤدبانہ مگر زور سے انکاری ہے۔ کہ اس کی گرفتاری کے وقت یا اس سے پیشتر یا بعد شاہ ایڈورڈ قیصر ہند کی مملکت کے اندر کسی بدامنی کا خطرہ موجود تھا۔

سایل مؤدبانہ مگر زور سے انکاری ہے۔ کہ اس نے کوئی ایسا فعل کیا یا ایسا فعل کرنیکا اقدام کیا کہ جو ہندوستان میں بدامنی کا موجب ہو یا جس سے اس کے خلاف ریگولیشن نمبر ۳ سنہ ۱۸۱۸ء کا نفاذ ہو سکے

سایل کو یقین ہے۔ کہ وہ غلط رپورٹوں کا جو اس کے دشمنوں نے کیں شکار ہوا ہے۔ اور اس کے خلاف جو رپورٹیں حکام نے کیں وہ

غلط فہمی اور غلط کاری پر مبنی تھیں۔

سایل مؤدبانہ التجا کرتا ہے۔ کہ اسکو ان الزامات سے اطلاع دیجائے کہ جن کی بنا پر اس کے خلاف زیر ریگولیشن نمبر ۳ سنہ ۱۸۱۸ء عمل کیا گیا ہے تاکہ اسکو ان الزامات کی جوابدہی کا موقعہ مل سکے۔ اور حضور باجلاس کونسل مزید غور کر سکیں۔

سایل ہمیشہ سے امن پسند رہا ہے۔ اور اس کی کوششوں کا بڑا حصّہ اہل وطن کی ترقی تعلیم۔ یتیموں۔ بیواؤں اور دیگر قحط زدہ لوگوں کی امداد رسانی اور امداد رسانی کے لئے خیراتی فنڈ جمع کرنے میں خرچ ہوا ہے۔ زلزلہ عظیم کے موقعہ پر سنہ ۱۹۰۵ء میں اس نے ضلع کانگڑہ کے مصیبت زدوں کی امداد رسانی کا انتظام کیا تھا۔ وہ تین سال تک میونسپل کمشنر رہا ہے اور پچیس سال سے وکالت کر رہا ہے۔

اپنی پبلک لائف کے زمانے میں کہ جو پچیس سال سے زیادہ ہے۔ سایل کی نسبت کبھی کسی ایسے فعل کا شبہ نہیں کیا گیا۔ اور نہ کوئی کبھی ایسا فعل اس سے منسوب کیا گیا۔ کہ جو ہندوستان میں بد امنی پھیلانے کا موجب ہو سکے۔ اور نہ ہی کبھی کوئی ایسا فعل اس سے سرزد ہوا ہے۔ کہ جس پر ریگولیشن نمبر ۳ سنہ ۱۸۱۸ء حاوی ہو۔

سائل کو جگر اور خرابی معدہ اور بیخوابی کی شکایت ہے اور بحالت شبہ اس کے متعلق لاہور میں اس کے معالجوں سے اطمینان کیا جا سکتا ہے۔

بحالات موجودہ ایک غیر ملک اور ناموافق آب و ہوا میں ۔ جہاں ورزش
کے لئے بھی کافی موقعہ اور ذرایع موجود نہیں سایل کو قید رکھنا اس کی
صحت پر بُرا اثر پیدا کریگا ۔

سایل کی التجا ہے ۔ کہ اگر اسکو جلدی رہا نہیں کیا جاتا ۔ تو اِن
واقعات سے اسکو مطلع کیا جائے ۔ جن کی بنا پر اسکے خلاف کارروائی
کی گئی ہے ۔ اور اُس کی عرضداشت حضور شاہ و قیصر کی خدمت میں
ارسال کی جائے ۔ تا تصفیہ عرضداشت

الف ۔ ہندوستانی اور انگریزی اخبارات مطالعہ کرنیکی اجازت
دی جائے کیونکہ مطالعہ اخبارات سے محرومی کے باعث رنج آمیز
تنہائی محسوس ہوتی ہے ۔

ب ۔ گھر سے نوکر منگوانے کی اجازت ہو ۔

اگر سایل کو مدت قید سے آگاہ کیا جائے تو ممنون ہوگا

"لاجپت رائے" ۔ از قلعہ ڈفرن ۔ مانڈلے ۲۹ جون ۱۹۰۷ء

ریگولیشن کی کاپی سے جو مجھے گھر سے پہنچی تھی سپرنٹنڈنٹ جیل کو
معلوم ہوا کہ اسکو میری نسبت ایک رپورٹ یکم جولائی کو گورنمنٹ ہند
کے پاس ارسال کرنی ہوگی ۔ سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے دریافت کیا ۔ کہ
اگر کوئی درخواست ہو تو وہ رپورٹ میں گورنمنٹ ہند سے اس کے
لئے سفارش کر بھیجے ۔ میں نے اسے کہا ۔ کہ قلعہ سے باہر سیر کرنے
کی مجھے اجازت ملنی چاہیئے ۔ پولیس کی نگرانی کم کی جائے اور میرے
دوست مجھ سے مل سکیں ۔ اس نے وعدہ کیا ۔ کہ جو کچھ وہ کر سکتا

ہوگا۔ اس کی نسبت غور کریگا۔

ریگولیشن میں درج ہے۔کہ "ہر ایک افسر کو جس کے سپرد اسیر سلطانی کیا گیا ہو لازم ہوگا۔ کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کی خدمت میں اسیر سلطانی کے چال چلن۔ صحت اور آرام آسایش کے متعلق پولیٹیکل سکرٹری کی معرفت رپورٹ ارسال کرے"۔

سپرنٹنڈنٹ نے میرا میموریل اور اپنی رپورٹ ارسال کردی ۔

۸ راگست کو اس نے میرے میموریل کا جواب جو گورنمنٹ کی طرف سے موصول ہوا تھا۔ پڑھ سنایا ۔ یہ ناموافق جواب تھا۔ میں نے گورنمنٹ کے فیصلہ کی نقل مانگی جو مجھے دیگئی۔ اسکا مطلب یہ تھا۔

گورنمنٹ ہند کا فیصلہ یہ ہے۔کہ آپ قلعہ سے باہر نہیں جا سکتے۔ پولیس کی تعداد کم نہیں ہوسکتی"۔ (درخواست کے الفاظ مبہم ہیں)

اس خواہش کے متعلق کہ الزامات سے مطلع کیا جائے رسوائے ظاہر کردہ وجہ کے کوئی تفصیل نہ بتلانے کی گورنمنٹ ہدایت کرتی ہے" (وجہ ظاہر کردہ یہ تھی۔کہ شاہ قیصر کی مملکت ہند میں بدامنی کی رکاوٹ کی غرض سے مجھے جلاوطن کیا گیا ہے)

بادشاہ کے پاس عرضداشت لوکل (پنجاب) گورنمنٹ کی معرفت ارسال کرنی چاہیئے"

"نہ آپ اپنا نوکر منگوا سکتے ہیں نہ اخبارات"

"مدت قید کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی جاسکتی"

آپ کے رشتہ داروں کے ملنے پر کوئی بھاری اعتراض نہیں

مگر ملاقاتوں اور ملنے والوں کی تعداد محدود ہوگی۔ اور وہ پنجاب گورنمنٹ کی اجازت سے ملاقات کر سکیں گے"۔

اس جواب کے لئے میں پہلے ہی سے تیار تھا۔ امید تھی۔ کہ اجازت کے متعلق شاید اجازت دی جائے۔ سیر کے متعلق مجھے چنداں پرواہ نہ تھی۔ لیکن شاہ کے پاس عرضداشت ارسال کرنے کی ہدایت اور چونکہ عرضداشت مناسب طریقہ سے نہیں آئی تھی اس لئے گورنمنٹ ہند کا عرضداشت ارسال کرنے سے انکار میرے لئے بڑا ہی لطف انگیز تھا۔ ایک ایسے شخص کو کہ جس کے پاس ترسیل عرضداشت کا یہی وسیلہ ہو کہ وہ اپنی عرضداشت لکھ کر سپرنٹنڈنٹ جیل کے حوالے کر سکے یہ جواب دینا کہ اس کی عرضی مناسب اور مقررہ طریقوں سے موصول نہیں ہوئی بلاشبہ تمسخرانہ جواب ہے۔

میں نے خیال کیا۔ کہ حکام اپنی ایک ناواجب حرکت کے متعلق بادشاہ کی خدمت میں کوئی میموریل بھیجا جانا پسند نہیں کرتے اور اس لئے یہ تاخیر کی جاتی ہے۔

لوکل گورنمنٹ کی معرفت ترسیل عرضداشت کی ہدایت صحیح مضحکہ خیز تھی۔ یہ سپرنٹنڈنٹ کا فرض تھا۔ کہ ایسی عرضداشتیں ارسال کرنیکے لئے مناسب وسایل اور ذریعہ کا لحاظ کرتا۔ اور اگر قواعد و ضوابط کی ناواقفیت کے باعث وہ ایسا نہ کر سکا تو اس کے لئے قیدی کو ذمہ وار قرار دینا تو اور بھی عجیب تھا۔ یہ جواب پاکر میں ایسا بیزار ہؤا کہ آیندہ کوئی میموریل ارسال نہ کرنیکا ارادہ کر لیا۔ میں عرضداشتوں

کا کبھی معتقد نہیں ہوا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ شاہ قیصر محدود الاختیار تاجدار ہونے کی وجہ سے گورنمنٹ ہند کی کارروائی میں خصوصاً جبکہ مسٹر مارلے جیسے پولیٹیکل خیالات کے مدبر ہستے اس کارروائی کی منظوری دی ہو کوئی دست اندازی کرنا منظور نہ کرینگے۔ بادشاہ کی خدمت میں میموریل بھیجے جانے کی ایک وجہ یہ تھی۔ کہ شاہ کو گورنمنٹ ہند کی اس بیدردی کا علم ہو جائے جو میرے سی پوزیشن اور تعلیم کے شخص کو اخبارات کے مطالعہ سے محروم رکھنے کے متعلق عمل میں آئی ہے۔ اس جواب سے میں نے یقین کر لیا کہ گورنمنٹ ہند ابھی میرے معاملہ کو بادشاہ کے حضور بھیجنا نہیں چاہتی۔ تاحال میرے خلاف کوئی شہادت ڈھونڈ نکالنے کی کوشش ہو رہی تھی راولپنڈی اور لاہور کے ملزموں پر زور دیا جا رہا تھا۔ اور بعض حالتوں میں انہیں اذیت بھی دی جاتی تھی۔ تاکہ ان بلووں میں مجھے بھی ملوث کیا جائے اور گورنمنٹ کو امید تھی کہ کوئی نہ کوئی شہادت میرے خلاف نکل آئیگی۔ ان خیالات کو مدنظر رکھ کر میں نے "مناسب طریقہ" سے حضور شاہ کی خدمت میں کوئی میموریل بھیجنے کا ارادہ فسخ کر دیا۔ اگرچہ مجھے سپرنٹنڈنٹ جیل نے اس کے لئے بارہا کہا۔ میرا جواب یہی تھا۔ کہ جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب مناسب موقعہ ہوگا دیکھا جائیگا۔ چونکہ میں قدرے تاریخ سے واقف ہوں اس لئے مجھے مطلق العنان حکمرانوں سے انصاف رسی کی امید نہیں اور جبکہ مطلق العنان حکام نے میری قسمت کا یہی فیصلہ کر دیا ہے تو

میں اپنی بقیہ عمر عالم اسیری میں کاٹنے پر آمادہ ہوں۔ میرے خیال میں یہی کافی تھا۔ کہ میرے میموریل کے جواب میں میری نسبت کسی خاص الزام سے انکار کیا گیا ہے۔ ستمبر میں ایک رسالہ سے جو سپرنٹنڈنٹ نے دیا ہے مجھے معلوم ہوا کہ ایک الزام دیسی فوج کو بغاوت کے لئے برانگیختہ کرنے کا میرے ذمہ لگایا جاتا ہے۔ میں نے اس جھوٹے اتہام کو اپنے لئے سخت تہتک آمیز خیال کیا۔ اور اس کے خلاف اظہار ناراضگی کرنا اپنا فرض سمجھا۔ چنانچہ ایک دوسرا میموریل وزیر ہند کو بھیجنے کے لئے مسودہ لکھا۔ یہ میموریل ذیل میں درج ہے۔

بحضور رائٹ آنریبل سکرٹری آف سٹیٹ ہند۔ لنڈن

حضور والا۔ سایل قلعہ مانڈلے ملک برہما میں بطور اسیر سلطانی قید ہے۔ سایل کو زیر ریگولیشن نمبر ۳ ۱۸۱۸ء۔ وارنٹ مجریہ ۷ مئی ۱۹۰۷ء نواب گورنر جنرل باجلاس کونسل لاہور میں گرفتار کیا گیا

گرفتاری کے وقت یا گرفتاری کے بعد سایل کو کسی الزام یا الزامات سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ کہ جن کی بنا پر زیر ریگولیشن مذکور کارروائی کی گئی۔

سایل نے ایک عرضداشت بنام نواب گورنر جنرل میں عرض کی تھی۔ کہ کوئی ایسا فعل سایل سے کبھی سرزد نہیں ہوا جس سے اسپر ریگولیشن نمبر ۳ کا اطلاق ہو سکے۔

سایل نے کوئی ایسا فعل نہیں کیا۔ اور نہ کسی ایسے فعل کا

اقدام کیا۔ کہ جس سے شاہ قیصر کی مملکت ہند میں کوئی بدامنی پھیلنے کا خوف ہو۔ اور سایل کی گرفتاری کے موقعہ پر کسی بدامنی کا ہرگز احتمال نہ تھا۔

سایل اپنے دشمنوں کی غلط اطلاع اور افسروں کی غلط اور یکطرفہ رپورٹوں کا شکار ہُوا ہے۔ اگر وجوہ جلاوطنی ظاہر کی جاویں۔ تو سایل ان کے متعلق حضور والا کی تسلی کر سکتا ہے۔

چونکہ سایل کو الزامات سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ اس لئے وہ اپنی بیگناہی کے متعلق وضاحت سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔

چونکہ سایل کو اخبارات کے مطالعہ سے محروم کیا گیا ہے۔ اس لئے وہ گورنمنٹ ہند کی مفروضہ وجوہات کی تردید نہیں کر سکتا۔ تاہم یہ جُرات سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ ریگولیشن نمبر ۳ کا نفاذ سایل کے خلاف بالکل نامنصفانہ اور غیر ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے مطابق عمل کرنیکا کوئی موقعہ نہ تھا۔ ریگولیشن مذکور قایم شدہ حکومت کے زمانے کے لئے نہیں۔ اور نہ اسکا اطلاق سایل کی سی حیثیت کے اشخاص کے لئے ملحوظ تھا۔ راولپنڈی یا لاہور کے بلوؤں سے سایل کا کوئی تعلق نہ تھا۔ نہ اس نے براہ راست یا بالواسطہ کسی شخص کو بلوہ کی تحریک کی۔ نہ اس نے کوئی مفسدانہ تقریریں کیں۔ اظہار خیالات اور بعض قوانین کے متعلق جو اس کی گرفتاری سے تھوڑا عرصہ پیشتر وضع کئے گئے اور جن سے عوام کے دلوں میں بے چینی پیدا ہو رہی تھی اظہار ناپسندیدگی میں قانون اور ضابطہ

کی مقررہ حدود سے اس نے کبھی تجاوز نہیں کیا۔ اور نہ کبھی کسی خلاف
قانون فعل یا طاقت کی نمائش کی صلاح دی۔ اور نہ دانستہ کسی ایسے شخص
سے واسطہ رکھا۔ کہ جو خلاف قانون افعال یا طاقت کی نمائش کا حامی ہو۔ یہ شبہ کہ
سائل نے دیسی سپاہیوں کو وفاداری سے منحرف کرنے کی کوشش کی۔
بالکل بے بنیاد ہے۔ اور تحقیقات سے یہ بالکل جھوٹ ثابت ہو سکتا ہے۔
سائل کو سپاہیوں سے میل ملاپ یا خط و کتابت کا کوئی موقعہ حاصل نہ تھا۔
الزامات سے مطلع کئے بغیر سائل کو آزادی سے محروم کرنے۔ جواب دہی
کا موقعہ دئے بغیر گرفتار اور جلاوطن کرنے۔ خفیہ رپورٹوں پر عمل کرنے اور مشیر
قانونی کی صلاح مشورہ کے حق سے سائل کو محروم کرنے میں گورنمنٹ ہند
نے عدل و انصاف کا خیال نہیں رکھا۔ کہ جو برٹش حکومت کا لازمی خاصہ
مانے جاتے ہیں ÷

سائل کے پاس یہ خیال کرنے کی وجوہات موجود ہیں۔ کہ جو ریگولیشن سائل
کے خلاف نافذ کیا گیا ہے۔ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک بے ضابطہ قانون ہے
اور ان اختیارات سے تجاوز ہے جو کمپنی مذکور کو سند شاہی کی رو سے
حاصل تھے۔ اور چونکہ وہ برٹش طریق حکومت اور برٹش قوانین کے خلاف
ہے۔ اس لئے قابل عمل نہیں۔ یہ قانون کبھی پارلیمنٹ سے بھی
منظور نہیں ہوا۔ ریگولیشن مذکور کی رو سے انتظامی حکومت کو
دوام کے لئے یہ اختیارات کہ عدالت انصاف میں جواب دہی کا
موقعہ دئے بغیر برٹش رعایا کو شخصی آزادی سے محروم کر دیا جائے
قدرتاً انصاف اور با ضابطہ گورنمنٹ کی منشا کے خلاف ہے +

ازروئے ریگولیشن غرض مندرجہ ریگولیشن مذکورہ حاصل کرنے کے لئے کسی شخص کو جسے عدالت انصاف میں جواب دہی کا موقعہ نہ دیا گیا ہو زیر حراست کرنے سے مراد ایسے شخص کو بدامنی پھیلانے سے روکنا ہے۔ نہ کہ سزا دینا + اس پہلو سے مطالعہ اخبارات اور اور ذاتی ملازم یا اپنی قوم کا باورچی منگوالینے کی اجازت سے انکار گورنمنٹ سندھ کا منصفانہ عمل کہلانے کا مستحق نہیں سائل کو اس خیال کی تکرار میں تامل نہیں کہ دوستوں کو ملنے کی اجازت نہ ہونا۔ اور رشتہ داروں کے ملنے میں گورنمنٹ پنجاب سے پیشتر اجازت حاصل کرنیکی قیود اور ایسی ملاقاتوں میں سرکاری افسر کی موجودگی بھی جائز اور منصفانہ احکام میں داخل نہیں +

مندرجہ بالا قیود انگلینڈ میں پولیٹیکل قیدیوں کے ساتھ عام سلوک اور پارلیمنٹ کے ایسے قوانین کے جو بلا تحقیقات کسی کو نظر بند کرنے کے متعلق ہیں۔ بالکل خلاف ہیں۔ سائل متاہل آدمی ہے۔ ایک استری اور کئی بچوں کی (جن میں ایک بڑھوا لڑکی اور اس کا شیر خوار بچہ بھی شامل ہے) خبرگیری اور تعلیم وغیرہ کا انحصار سائل پر ہے + مفروضہ بدامنی کا خطرہ دور ہو جانے کے بعد سائل کی اسیری کسی حالت میں جائز نہیں +

سائل کو امید ہے۔ کہ اس کے ساتھ انصاف کیا جائیگا۔ جس کے لئے برٹش گورنمنٹ مشہور ہے۔ اور رہائی کے احکام صادر ہو کر سائل کو گھر جانے اور اپنا معمولی کاروبار کرنے کی اجازت

جائیگی ؟ اگر سائل کی رہائی بلا شرائط دینا ممکن خیال کی جائے
اور گھر واپس جانے کی اجازت دینا مناسب نہ ہو۔ تو سائل کو ایک مقررہ
مدت کے لئے ہندوستان سے باہر انگلینڈ یا یورپ یا امریکہ کے
کسی ملک میں رہنے کی آزادی عطا کی جائے۔ سائل اس کے
لئے دعاگو رہیگا ✣

حضور والا کا خادم

لاجپت رائے

مانڈلے۔ قلعہ ڈفرن
۲۲ ستمبر ۱۹۰۷ء

اس میموریل کا مجھے کوئی جواب موصول نہوا۔ البتہ میری
رہائی کا حکم جو ۱۱ نومبر کو گورنمنٹ کے ذریعہ مانڈلے میں مجھے پہنچایا
گیا۔ اور جس کی تعمیل لاہور پہنچنے پر پوری ہوئی۔ اس میموریل کا جواب
سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ دلیل کہ ریگولیشن نمبر ۳ سنہ ۱۸۱۸ء ایسٹ انڈیا
کمپنی کا خود ساختہ اور بے ضابطہ قانون ہے۔ مجھے ایک کتاب
لیجر اینڈ سورڈ (بہی کھاتہ اور تلوار) سے جو میں ان دنوں مطالعہ کر
رہا تھا۔ معلوم ہوئی تھی ✣
میں یہاں یہ ظاہر کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ میری رہائی
کے وقت نہ تو کوئی اقرار مجھ سے لیا گیا۔ اور نہ ہی میری آئندہ
زندگی یا طریق کے متعلق کوئی شرائط یا قیود لگائی گئیں سوائے ان

ان الفاظ کے جو کمشنر مانڈلے نے رہائی کا حکم سناتے وقت مجھے بخیال خویش تنبیہاً کہے اور کوئی تحریری خط و کتابت یا زبانی بات چیت رہائی کے متعلق گورنمنٹ سے نہیں ہوئی ہے۔

چند دلچسپ واقعات

میں ظاہر کر چکا ہوں۔ کہ قیام مانڈلے کے دوران میں ... نے اپنے ہم وطنوں کی طرف سے اظہار ہمدردی و عزت کے کثیر مواقع دیکھے۔ انہیں میرے ساتھ گفتگو یا خط و کتابت کرنے کی اجازت ... تھی۔ اور ایسے خطوط جن میں اظہار ہمدردی وغیرہ کیا گیا ہو۔ ... لیے جاتے تھے۔ میرے رہنے والے مکان کی قریبی سڑکوں سے ان کا ... بار بار گذرنا روکنے کے متعلق بڑی احتیاط سے انتظام کیا گیا ... بعض گذرنے والوں کو سخت تنگ کیا گیا۔ اور ان کی ... کی گئی۔ لیکن باوجود ان سختیوں کے انسانی فطرت کے جذبات کو دبانا ... ناممکن تھا۔ ان کے دلوں سے میری محبت اور میرے لئے دلی ... کو کوئی دور نہیں کر سکتا تھا۔ اپنا مطلب واضح کرنے کیلئے ... چند واقعات کا ذکر کرتا ہوں +

۱۔ ایک دن میں سڑک پر جا رہا تھا۔ کہ بارش شروع ہو گئی۔ میرے پاس کوئی چھاتہ یا باراں کوٹ نہ تھا۔ ایک ... پنجابی سکھ جو کہیں کسی کا پرائیویٹ ملازم یا کسی دفتر میں ... تھا۔ پاس سے گذرا اس کے پاس چھتری تھی۔ مجھے ... ہی اس نے بڑھ کر چھتری مجھے دینا چاہی۔ مگر میں نے ...

ساتھ انکار کردیا۔

۔ ایک دن قریباً دس بجے صبح میں بنگلے کی دوسری منزل
برآمدے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ جب میں اٹھا تو میری نظر
رہگذر پر جا پڑی۔ وہ لکڑیوں کا گٹھا لئے جا رہا تھا۔ احاطہ
مشرقی دروازے پر جا کر وہ ٹھیر گیا۔ لکڑیاں زمین پر رکھیں۔
پگڑی کے پلے سے کنول کے دو پھول کھولے یہ پھول وہ میرے
لایا تھا۔ اور مجھے دینا چاہتا تھا۔ چونکہ مشرقی دروازے پر
آدمی نظر نہ آیا۔ اس لئے وہ پگڑی باندھ مغربی دروازے پر
۔ اور جو سنتری پہرے پر موجود تھا۔ اس کو دونوں پھول دئے
مجھے پہنچا دے۔ مگر سنتری نے انکار کیا۔ اور اس کو
نکال دیا۔ تھوڑی دور جا کر وہ ایک درخت کے نیچے
ہو کر میری طرف دیکھنے لگ گیا اسکی دلی محبت کو میں اس
آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے پھول درخت کے تنے پر رکھ دئیے
جوڑ کر نمسکار کیا اور چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے
اسی ملازم کو بھیج کر پھول منگوائے۔ یہ پھول میری نسبت
ہم وطن کی محبّت کا نشان تھے۔

۳ ۔ ایک دن بارش زور سے ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا
دو بوڑھے مسلمان جو معززانہ لباس پہنے تھے۔ برآمدے کے
طرف آنکھیں اٹھائے دیکھ رہے ہیں۔ وہ بمبئی کی طرف کے
معلوم ہوتے تھے۔ جوں ہی انہوں نے مجھے دیکھا پیشانی

سر پر ہاتھ رکھ کر سلام کیا - اور چلے گئے اس قسم کا یہی ایک واقعہ نہ تھا +

۴ - گاڑیوں پر سوار ہو کر لوگ میرے بنگلے کے پاس سے گذرتے تھے - اور مجھے ایک نظر دیکھنے کے لئے برانڈے کی طرف دیکھتے جاتے تھے - میرے بنگلے کے قریب پہنچ کر گاڑیوں کی رفتار عموماً بالکل آہستہ ہو جاتی تھی - دور سے ہی وہ برانڈے کی طرف دیکھنا شروع کرتے اور جب تک میں دکھائی دیتا - گاڑی تیز نہ چلاتے +

۵ - کبھی کبھی پنجابی استریاں بھی مجھے دیکھنے کو آجاتی تھیں +

۶ - دو تین دفعہ گائیاں جو انہوں نے لڑکے میری جلاوطنی کے متعلق گیت گاتے سُنے گئے +

ایک بنگالی اسسٹنٹ سرجن اور سول سرجن

جس دن سول سرجن نے صدر ہسپتال میں میری آنکھوں کا ملاحظہ کیا - اس نے مجھے اپنے اسسٹنٹ سرجن ایک بنگالی مہاشے سے انٹروڈیوس کیا - اور اس سے پوچھا - کہ آیا وہ میری پولیٹیکل رایوں سے متفق ہے پھر طنزیہ لہجہ میں بولا - کہ لاجپت رائے انتخابی گورنمنٹ اور ووٹ کا حق مانگتا ہے - آپ کی کیا رائے ہے - بنگالی

ڈاکٹر نے جواب دیا۔ کہ چونکہ اس نے پالٹکس کا مطالعہ نہیں
کیا۔ اس لئے وہ کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ میں نے اس سے
دریافت کیا۔ کہ کیا آپ یہ نہیں جانتے۔ کہ ٹیکس لگانے اور
خرچ کرنے میں آپ کے اہل ملک کی آواز کو بھی دخل ہو۔ چونکہ
اب نہیں ہے۔ اس نے جواب اثبات میں دیا۔ اس پر
سول سرجن کھویا بن گیا۔ اور کہنا شروع کر دیا۔ کہ ہندوستان
میں کامل انتخابی گورنمنٹ ممکن نہیں کیونکہ ملک میں مختلف نسلیں
مختلف زبانیں بولنے والی موجود ہیں۔ اس نے بنگالی اسسٹنٹ
سرجن کے ذہن نشین کرنا چاہا۔ کہ آپ دونوں بنگالی اور پنجابی
کسی طرح بھی ایک نہیں ہیں۔ میں نے اس کی تردید فوراً کر دی۔
کہ ہم دونوں ایک ہی نسل سے ہیں۔ ہمارا دھرم ایک ہی ہے۔ جو زبانیں
ہم بولتے ہیں۔ انکی اصل ایک ہی زبان ہے۔ اس پر تھوڑی دیر
بحث شروع رہی اس بحث میں اسسٹنٹ سرجن میری طرفداری
کرتا تھا۔ انگریز سول سرجن کے لئے یہ تجربہ غالباً ناگوار
تھا۔ کہ ایک بنگالی اور پنجابی کے خیالات خواہ اول الذکر
سرکاری ملازم ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی نمایاں فرق موجود
نہیں +

سردار اجیت سنگھ

خیال کیا جاتا تھا۔ کہ سردار
اجیت سنگھ کے مانڈلے میں بھیجنے
کا صحیح علم نہیں۔ لیکن درحقیقت سردار اجیت سنگھ

کے پہنچنے سے پہلے ہی دن مجھے پتہ لگ گیا۔ مجھے یہ بھی
پتہ تھا۔ کہ اس کی تلاشی کی جا رہی تھی دوسرے دن
سپرنٹنڈنٹ نے قلعہ کی مشرقی سڑکوں پر میرا اسیر کو جانا
منع کر دیا۔ اور میں اس ممانعت کی وجہ فوراً سمجھ گیا۔ پھر
اس نے مجھ سے چند کتابیں جو مسٹر مدن جیت سنگھ نے مجھے رنگون
سے بھیجی تھیں۔ یہ کہ کر لیں۔ کہ ایک دوست کے لئے درکار
ہیں۔ اور پڑھنے کے بعد واپس کر دی جائینگی۔ ان میں سے دو
سپرنٹنڈنٹ نے واپس نہ دیں۔ باقی کتابیں واپس کر دیں۔ اور
کہ دیا کہ وہ صرف یہی کتابیں لے گیا تھا۔ میں نے اس کے حافظہ
کی کمزوری جتلانے کے لئے یہ ذکر کیا ہے۔

ایک دن جبکہ سپرنٹنڈنٹ حسب معمول روزانہ ملاحظہ
کے بعد جانے لگا۔ اس نے نیچے سے میرا نام لے کر پکارنے
کی بجائے آواز دی۔ "اجیت سنگھ۔ اجیت سنگھ"۔
جلدی ہی اپنی غلطی کی اصلاح کر دی۔ اور مجھے نیچے بلا کر کہا۔
کہ آپ کو اپنے قانونی مشیروں سے خط و کتابت کی اجازت
نہیں ہو سکتی۔ اور جو چٹھی آپ نے لکھی تھی۔ وہ مجھ سے گم
ہو گئی ہے"۔ میں نے کہا۔ کہ یہ حکم تو آپ پہلے سے مجھے سنا
چکے ہیں۔ اور میری چٹھی بھی مجھے واپس کر دی تھی۔ لیکن
اسپر بھی وہ انکار ہی کرتا رہا۔ اور یہ ماننا نہ چاہا کہ وہ
پہلے ہی یہ حکم مجھے سنا چکا ہے۔ اور بخیال خویش

گم شدہ چٹھی مجھے واپس دے چکا ہے۔ (جلسہ کانگرس
۱۹۰ء میں شمولیت کے لئے جب میں سورت گیا ہوں۔ تو یہ چٹھی
میرے پاس تھی) اس سے چند روز بعد ایک یورپین سارجنٹ
نے مجھ سے دریافت کیا۔ کہ کیا آپ جانتے ہیں۔ کہ اجیت سنگھ
کہاں ہے۔ جب میں نے کہا۔ کہ میری نسبت آپ کو اس کے
متعلق پوری واقفیت ہو سکتی ہے۔ تو اس نے مسکرا کر کہا۔ کہ
اجیت سنگھ بھی اسی قلعہ میں ہے۔ اور قلعہ کے مشرقی
دروازے کے قریب ایک مکان میں رکھا گیا ہے۔ اس کے تھوڑے
دن بعد میں نے کچھ فاصلے سے سردار اجیت سنگھ کو ایک
یورپین سارجنٹ کے ساتھ ٹہلتے دیکھا۔ پولیس کے
سپاہی جو سردار اجیت سنگھ کے مکان پر بھی تعینات ہوتے
تھے۔ اس کا ذکر اذکار کھلم کھلا کرتے تھے۔ اور وہاں کے
واقعات دہراتے تھے۔ مگر اُس پر بھی افسروں کو یہی یقین
تھا۔ کہ مجھے سردار اجیت سنگھ کی مانڈلے میں موجودگی
کا علم نہیں ٭

واپسی اور رہائی

۱۱۔ نومبر کو سوا دس بجے کمشنر صاحب
مانڈلے معہ سپرنٹنڈنٹ و
ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس میرے رہنے
والے بنگلے پر آئے۔ اور مجھے الگ لیجا کر کہا۔ کہ آپ رہا
کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ رہائی لاہور جا کر ہو گی۔ اور لاہور

تک نگرانی میں جانا ہوگا۔ اور لاہور پہنچنے تک مجھے کسی رشتہ دار یا دوست کو تار یا خط بھیجنے کا موقعہ نہ ہوگا ساتھ ہی وائیسرائے کی طرف سے تنبیہا یہ بھی کہا۔ کہ اگر پھر کبھی کوئی لغویانہ فعل کرتے پائے جاؤ گے۔ تو گرفتار کرکے فوراً جلاوطن کیا جائیگا۔ اس کے جواب میں میں نے صرف یہی کہا۔ کہ میں بخوبی سمجھتا ہوں +

کمشنر نے کہا۔ کہ گاڑی تیار ہے + روانگی کا وقت پونے گیارہ بجے مقرر ہو چکا ہے۔ اور اس لئے اسباب وغیرہ باندھنے میں زیادہ وقت ضائع نہ ہونا چاہیئے + کمشنر صاحب تو یہ کہکر روانہ ہو گئے۔ اور میں نے پولیس والوں کی مدد سے اپنا اسباب آدھے گھنٹے میں باندھ لیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس ریلوے سٹیشن تک میرے ساتھ گئے۔ ٹرین ایک طرف تیار کھڑی تھی۔ اور چند یورپین افسر چل پھر رہے تھے۔ ان میں سے سپرنٹنڈنٹ جیل سے واقف تھا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ اس کے اور میرے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی +

سپرنٹنڈنٹ۔ "میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اتنی جلدی رہا ہو جانے سے آپ کو خوشی ہوئی ہے" +

میں۔ "واقعی میں خوش ہوا ہوں" +

سپرنٹنڈنٹ۔ آئندہ حماقت کی نہ لیں۔ اور کانٹوں

سے نہ اُلجھیں"۔ (یاد نہیں اس نے کانٹوں کا لفظ استعمال کیا تھا۔ یا کوئی اور)+

میں۔ "میں نے کبھی کچھ نہیں کیا"۔

سپرنٹنڈنٹ۔ بہت بہت۔ اب بھی نہ کریں +

میں۔ "آپ کی صلاح کا شکریہ ادا کرتا ہوں"

سپرنٹنڈنٹ۔ آپ کی رہائی پر مجھے کمال خوشی ہوئی ہے

میں۔ "آپ کی عنایت +

پولیس سپرنٹنڈنٹ نے ٹرین روانہ ہونے کے وقت بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ سیٹی ہوئی اور ٹرین چل نکلی۔ میرے لئے اوّل درجہ کی گاڑی تھی۔ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس میری نگرانی پر مقرر کیا گیا تھا۔ سٹیشن کے احاطہ میں مَیں نے اس یورپین سارجنٹ کو دیکھا جس کی نسبت مجھے معلوم تھا۔ کہ اس دن سردار اجیت سنگھ کی نگرانی پر تعینات تھے۔ اس سے میں نے نتیجہ نکالا۔ کہ سردار اجیت سنگھ کو بھی اسی ٹرین پر سوار کیا جائیگا۔ کہ جب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سے دریافت کیا۔ تو اس نے کوئی صاف صاف جواب نہ دیا۔ اور یہ کہ کر بات ٹال دینا چاہی۔ کہ شاید وہ دوسری ٹرین میں بھیجا جائے۔ مگر غروب آفتاب سے پیشتر مجھے معلوم ہوگیا۔ کہ سردار اجیت سنگھ اسی ٹرین میں ساتھ ہے۔ اور ایک یورپین انسپکٹر اور ایک یورپین سارجنٹ دوسرے درجہ کی گاڑی میں اس کے ساتھ ہیں۔

افسروں کے علاوہ بارہ کنسٹیبلوں کا دستہ ساتھ تھا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ اور خوش خلقی سے پیش آتا رہا۔

خوراک پانی اور لائن کلیر لینے کے واسطے ٹرین کئی بڑے بڑے سٹیشنوں پر ٹھیری۔ کئی سٹیشنوں پر خلقت کا انبوہ یہ معلوم کرنے کے لئے جمع ہو گیا۔ کہ ٹرین میں کون جا رہا ہے۔ ہر ایک سٹیشن پر پوری احتیاط کی جاتی تھی۔ کہ کہیں راز افشا نہ ہو جائے۔ جہاں ٹرین ٹھیرتی۔ کھڑکیاں بند کر دی جاتیں۔ ۱۲ نومبر کو سوا دس بجے صبح کے قریب ٹرین رنگون کے نواح میں بورڈنگ سٹیشن پر پہونچی۔ یہاں سے مجھے ایک گھوڑا گاڑی میں بٹھایا گیا۔ اور سوائے ایک کے سب کھڑکیاں بند کر دی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد رنگون کے پولیس کمشنر صاحب آئے۔ اور انہوں نے وہ کھڑکی بھی بند کر دی۔ میرے ساتھ گاڑی کے اندر ایک یورپین سارجنٹ تعینات تھا۔ اس طرح مجھے وہیں پہونچایا گیا۔ جہاں میں چھ ماہ پیشتر مانڈلے کو جاتا ہوا جہاز سے اُترا تھا۔ جب میرا اسباب وغیرہ ایک دُخانی کشتی پر بار ہو چکا۔ تو کمشنر پولیس رنگون نے رعونت آمیز انداز سے مجھے کشتی کے زیریں حصہ میں جہاں کشتی کا متعلقہ سامان پڑا تھا۔ چلا جانے کا حکم دیا۔ یہاں دم گھٹا جاتا تھا۔ اور میرے اور سارجنٹ کے

کھڑا ہونے کو بھی جگہ نہ تھی۔ سردار اجیت سنگھ کو کشتی کی چھت پر ٹھیرایا گیا۔ گائیڈ جہاز تک پہنچنے میں کشتی کو پندرہ منٹ لگے اس عرصہ میں میں پسینے سے تر ہو گیا۔ جب اسباب جہاز پر جا چکا۔ اور سردار اجیت سنگھ بھی پہنچ گیا۔ تو مجھے کوٹھری سے نکلنے کی اجازت دیگئی۔ مجھے اور سردار اجیت سنگھ کو دو مختلف حصّوں میں رکھا گیا۔ مجھے ایک کوٹھڑی دی گئی۔ اردگرد کی دو کوٹھڑیاں یورپین انسپکٹر اور یورپین سارجنٹ کو ملیں سردار اجیت سنگھ کو جہاز کی چھت پر جگہ دی گئی۔ دس منٹ پر سات بجے صبح جہاز نے رنگون سے لنگر اٹھایا۔ ابتدائی دو دن سمندر متلاطم رہا لیکن تیسرے دن ساکن ہو گیا۔ افسران موجودہ جہاز عموماً خوش خلقی سے پیش آتے تھے خصوصاً مسٹر کوپر ایڈیشنل چیف تو بہت مہربان تھے۔ ۱۵ نومبر کو تین بجے بعد دوپہر فریزر جہاز دکھائی دیا۔ مجھے کوٹھڑی کے اندر ہو جانے کو کہا گیا۔ کیونکہ جہاز لنگر ڈالنے کو تھا۔ اس عرصہ میں سردار اجیت سنگھ کو بھی کوٹھڑی میں رہنے کا حکم دیا گیا۔ دونوں جہازوں کے کپتانوں میں کچھ خط و کتابت ہوئی۔ جس میں آدھ گھنٹہ کے قریب لگا۔ اس کے بعد لنگر اُٹھایا گیا۔ اور قریباً سات بجے شام جہاز ہوگلی کے دہانے میں داخل ہو کر ساگر لائٹ ہوس کے سامنے رست کیلئے لنگر انداز

ہوا۔ دوسرے دن صبح ہی ساڑھے پانچ بجے لنگر اُٹھا۔
ساڑھے آٹھ بجے جہاز ڈائمنڈ ہاربر سے گذرا اور دس
بجے کلکتہ سے پچیس تیس میل کے فاصلے پر رلسٹ پور پہنچ گیا۔
یہاں ساڑھے چار بجے تک ٹھیرا رہا۔ اور پھر کلکتہ کی طرف
روانہ ہوا۔ شام کے قریب بج بج پر ہم جہاز سے
اترے۔ ہندوستان کی سرزمین پر میں نے پھر قدم
رکھا۔ ایک سپیشل ٹرین بنگال ناگپور ریلوے کی
لائن پر ایک طرف کھڑی تھی۔ بنگال پولیس کے انسپکٹر
مینتھو جہاز سے اترتے ہی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے
تھے۔ ایک اوّل درجہ کی گاڑی میرے اور میرے محافظ
کو دی گئی۔ اور سردار اجیت سنگھ اور دو یورپین
انسپکٹر دوسرے درجہ کی گاڑی میں سوار کرائے گئے۔
مسٹر کلارک ٹریفک منیجر بنگال ناگپور ریلوے اور اسسٹنٹ
ٹریفک منیجر بھی اسی ٹرین پر سوار تھے۔ مسٹر کلارک
نے اپنی گاڑی میں میرے ٹھہرانے کا انتظام کیا۔ اور
نہایت خوش خلقی اور مہربانی سے پیش آئے۔
دوسرے دن سولہ نومبر کو دوپہر کے قریب ٹرین
بلاسپور سٹیشن (صوبجات متوسط) پر پہنچی۔
اور یہاں سے ایک برانچ لائن پر کٹنی کو ہولی۔ سارا
دن ٹین کے ڈبوں میں بند خوراک پر کاٹنا پڑا۔

اگرچہ مسٹر کلارک نے ہر ایک آرام کے لئے کوشش کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ دوسرے دن صبح گریٹ انڈین پنینسولا ریلوے کے سٹیشن ہینا پر پہنچے۔ اور وہاں سے براہ جھانسی دلی کو روانہ ہوئے۔ اس اثناء میں خوراک وغیرہ کا انتظام معقول تھا۔ دلی سے پنجاب سدرن ریلوے پر براہ بھٹنڈا لاہور تک سفر کیا۔ ٹرین کا ایک فرضی نام بتلایا گیا تھا۔ اور ہر ایک سٹیشن پر جہاں ٹرین ٹھہرتی تھی۔ پلیٹ فارم ہندوستانیوں سے خالی کیا جاتا تھا۔

اس سات دن کے سفر میں مجھے اور سردار اجیت سنگھ کو ایک دوسرے سے جدا جدا رکھا گیا۔ گاڑیوں کی کھڑکیاں تک بند رہتی تھیں۔ اور بعض اوقات افشائے راز کے خوف سے ایسی شک احتیاطیں کی جاتی تھیں۔ کہ خواہ مخواہ ہنسی آتی تھی۔ ورنہ سوائے اس کے افسران موجودہ کا سلوک نہایت پسندیدہ تھا۔ سوائے ایک نمبر ہفتہ وار ٹائمز تیرہ نومبر اور ایک جلد رسالہ فرائی میگزین کے اور کوئی اخبار دوران سفر میں دیکھنے کو نہیں ملا۔ مغربی میانمبر پر ٹرین ۱۸ نومبر کی صبح کو ساڑھے پانچ بجے پہنچی۔ مجھے اور سردار اجیت سنگھ کو ایک کمرے میں لے گئے۔ وہاں مینیجر سپرنٹنڈنٹ

سنٹرل جیل لاہور نے ہمیں اوّل وہ وارنٹ پڑھ کر بتایا۔ کہ مجھکو جیل مانڈلے سے سنٹرل جیل لاہور کو منتقل کیا گیا تھا۔ اور اس کے بعد رہائی کا حکم سنا دیا۔ ایک فٹن سواری کے لئے اور ایک ٹمٹم اسباب بار کرنے کی غرض سے میرے حوالے کی گئی۔ اسباب وغیرہ اٹھوانے میں ہر ایک طرح کی مدد دی گئی۔ مسٹر اینڈل سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور اپنے کارٹ پر فٹن کے آگے آگے ہوئے اور مجھے میری کوٹھی پر پہنچا کر رخصت ہو گئے۔

اسطرح چھ ماہ اور نو دن کی غیر حاضری کے بعد میں گھر واپس پہنچا۔ واپسی پر راستہ میں سامان خوراک بہم پہنچانے میں جس فیاضی سے کام لیا گیا۔ وہ سپرنٹنڈنٹ جیل مانڈلے کی کفایت شعاری کا پورا جواب تھی مجھے امید ہے۔ کہ حساب میں کثیر المقدار خوراک کی قیمت درج ہونے سے گورنمنٹ میرے کھانے پینے کے خرچ کا اندازہ نہ کریگی۔ کیونکہ کئی ایسی اشیا تھیں۔ کہ جن کو میں نے چھوا تک نہیں بہرحال میں یہ خیال کرنے سے رک نہیں سکتا۔ اور کسی خود مختار ملک میں رعیت سے جمع کیا ہوا روپیہ اسطرح لاپرواہی اور بے دردی سے خرچ نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ سپیشل جہازوں اور سپیشل ٹرینوں اور غیر ضروری احتیاطوں اور رازداری پر کیا گیا۔ ساری کارروائی کھیل تماشا معلوم ہوتی تھی اور ایک اجنبی حکومت کے طریق حکومت کی جو عام لے کے ساتھ میل جول نہ رکھتی ہو واضح تشریح تھی۔

(تتمہ الف)

سنہ ۱۸۱۸ء کا ریگولیشن نمبر ۳

شاہی قیدیوں کی گرفتاری کے متعلق ریگولیشن

چونکہ نظام سلطنت کے بعض وجوہات جنمیں اُس اتحاد کا قایم رکھنا شامل ہے جو سلطنت برطانیہ کا غیر طاقتوں کے ساتھ ہے۔ نیز اُن دیسی راجوں اور نوابوں کے علاقوں کے امن وچین کا قیام بھی ملحوظ خاطر ہے جن کو سلطنت برطانیہ کی سرپرستی میں رہنے کا حق حاصل ہے۔ نیز برٹش علاقوں کا بیرونی دشمنی اور اندرونی ہلچل سے محفوظ رکھنا ضروری ہے اس بات کی مقتضی ہوتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسے مفرد اشخاص کو زیر حراست کر لیا جاوے جن کے برخلاف عدالتی کارروائی کرنے کی وجوہات نہ ہوں یا جب اس قسم کی کارروائی حالات مقدمہ کے مطابق نہ سمجھی جاوے یا اور وجوہات کے باعث نامناسب یا غیر موزون سمجھی جائے اور چونکہ یہ مناسب ہے کہ اس قسم کی ہر ایک صورت میں جسکا ذکر یہاں ہوا ہے فیصلہ گورنر جنرل سے حکم ہو اور چونکہ تقاضائے انصاف چاہتا ہے کہ جب اس بات کا فیصلہ کر لیا جاوے کہ ایک شخص کو بغیر عدالت کی کارروائی کے زیر حراست لیا جائیگا تو اُن وجوہات کی وقتاً فوقتاً نظر ثانی ہوتی رہے جس پر اس قسم کا حکم مبنی ہے اور اُس شخص کو جس کے ساتھ اس قسم کا سلوک کیا گیا ہے ہمیشہ یہ حق حاصل ہو کہ وہ آزادی سے اُن تمام حالات کی طرف گورنر جنرل کی توجہ مبذول کر سکے جو کہ اس حکم کے غرضی وجوہات کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا

یا اُس طریقہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں جس طریقہ سے اس حکم پر عملدرآمد کیا گیا ہے
و نیز چونکہ انصاف یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک شاہی قیدی کی جو کہ اس ریگولیشن کے زیر اثر
حراست میں لیا گیا ہو صحت کی طرف مناسب توجہ دی جاوے اور اُس کے رتبہ زندگی
کے مطابق و نیز اسکی اپنی اور اپنے کنبے کی ضروریات کیموافق گذارہ کا انتظام
کیا جاوے اور چونکہ متذکرہ بالا وجوہات کے باعث بعض اوقات یہ ضروری ہو جاتا
ہے کہ زمینداروں اور تعلقہ داروں کی زمین اور ریاست کو جو اُس علاقے میں واقعہ
ہوں جو احاطہ فورٹ ولیم کے زیر حفاظت ہیں زیر حراست لے لیا جاوے اور
عارضی طور پر بغیر کسی عدالت کی کارروائی کے مالی افسروں کے ماتحت کر دیا
جاوے اور چونکہ یہ مناسب ہے کہ اس قسم کی قانونی مدد بہم پہنچائی جاوے
جس سے ایسے شخص کے مناسب حقوق اور مفاد کو جن کی ریاست گورنمنٹ
نے اپنے حکم سے حراست میں کر لی ہے نقصان سے بچایا جاوے۔ اس
لئے وائسرائے پریزیڈنٹ باجلاس کونسل نے مفصلہ ذیل قواعد مرتب کئے ہیں جن کا
عملدرآمد اُسی دن سے احاطہ فورٹ ولیم میں شروع ہو جائیگا جس دن سے
اُنہیں نافذ کیا جائیگا ::

٢۔ (اول) جب گورنر جنرل کو یہ ضروری معلوم ہوگا کہ اُن وجوہات کے مطابق
جو اس ریگولیشن کے دیباچہ میں مذکور ہیں کسی خاص شخص کو زیر حراست لیا جاوے
اور یہ خیال نہ ہو کہ کلیۃً عدالت کی کسی قسم کی کارروائی کی جائیگی تو گورنر جنرل
اپنے دستخط سے و نیز چیف سکرٹری یا گورنمنٹ کے کسی دوسرے سکرٹری کے
دستخط سے اُس افسر کے نام سپردگی کا وارنٹ جاری کریگا جس شخص کے
زیر حراست اس کو رکھنا ہے۔

(دوم) وارنٹ سپردگی بدیں الفاظ ہوگا۔

بخدمت (اس جگہ اُس افسر کا نام اور رُتبہ دینا چاہیئے)

چونکہ گورنر جنرل نے کافی اور درست وجوہات کو مدنظر رکھ کر یہ فیصلہ کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے کہ (اس جگہ شاہی قیدی کا نام درج کیا جائے) کو مقام (یہاں جگہ کا نام درج کیا جائے) میں زیر حراست رکھا جاوے اس لئے اُس حکم کے مطابق تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ متذکرہ بالا شخص کو اپنی حراست میں لیلو اور اس کے ساتھ گورنر جنرل کے احکام اور ۱۸۱۸ء کے ریگولیشن ۳ کی ہدایات کے مطابق سلوک کرو :۔

فورٹ ولیم

اے۔ بی۔ چیف سکرٹری

از حکم گورنر جنرل باجلاس کونسل

(سوم) کسی شاہی قیدی کو کسی قلعہ یا قید خانہ یا کسی دوسری جگہ پر جو احاطہ فورٹ ولیم کے ماتحت ہو زیر حراست رکھنے کیواسطے یہ وارنٹ سپردگی کافی اختیار سمجھا جائیگا

(۳) ہر ایک افسر جس کے زیر حراست ایک شاہی قیدی رکھا جاوے ہر سال یکم جولائی کو پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے سکرٹری کی معرفت گورنر جنرل کے پاس اُس شاہی قیدی کی تندرستی۔ چلن اور آسایش کے متعلق ایک رپورٹ ارسال کریگا تاکہ گورنر جنرل اسبات کا فیصلہ کر سکے کہ آیا وہ اس قیدی کو زیر حراست رکھنے کے احکام کو جاری رکھے یا ان میں کچھ ترمیم کرے

۴۔(اول) جب کوئی شاہی قیدی کسی ضلع کے مجسٹریٹ کے زیر حراست ہو تو ججوں کا فرض ہوگا کہ عرصہ معینہ کے بعد اس سے ملاقات کریں اور اس کے

سلوک کے متعلق جس قسم کے احکام مناسب سمجھیں جاری کریں۔ بشرطیکہ یہ احکام گورنر جنرل کے اُن احکام کے جو اس نے اس بارے میں جاری کئے ہوں متضاد نہ ہوں۔

(دوم) اگر کسی شاہی قیدی کو کسی پبلک افسر کے جو مجسٹریٹ ضلع نہ ہو زیر حراست رکھا جاوے تو گورنر جنرل یا تو مجسٹریٹ ضلع کو یا ججوں کو یا کسی اور پبلک افسر کو بشرطیکہ اس کے زیر حراست یہ شاہی قیدی نہ ہو ہدایت کریگا کہ یہ اسکو مقررہ میعاد کے بعد ملنے جاویں اور گورنمنٹ کو اس قیدی کی تندرستی اور سلوک کے متعلق رپورٹ ارسال کریں ۔

(۵) اس افسر کے لئے جس کے زیر حراست یہ قیدی ہو ضروری ہوگا کہ جو عرضداشت یہ قیدی وقتاً فوقتاً گورنر جنرل کے پاس بھیجنا چاہے اُسے بمعہ اپنی رائے کے جو دینا مناسب سمجھے آگے بھیجدے

(۶) ہر ایک افسر جس کے زیر حراست کسی شاہی قیدی کو رکھا جاوے۔ وہ قیدی مذکور کو اپنی حراست میں لینے کے بعد جس قدر عملی طور پر ممکن ہو جلدی سے جلدی گورنر جنرل کے پاس یہ رپورٹ کریگا کہ آیا جس درجہ تک پابندی اس قیدی کے لئے لازمی قرار دیگئی ہے اُس سے یہ احتمال تو نہیں کہ قیدی مذکور کی تندرستی کو کسی قسم کا نقصان پہنچے۔

اور نیز جو گذارہ اُس کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ اُس کے رتبہ زندگی کا خیال کرکے اس کے اپنے لئے اور نیز اس کے کنبے کے لئے کافی ہے۔

ہر ایک افسر جس کے زیر حراست کوئی شاہی قیدی رکھا جاوے اس بات کا خیال رکھیگا کہ جو روپیہ اس قیدی کے گذارہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ

اس ہی مطلب کے لئے صرف ہوتا ہے۔

(٨) یہ ریگیولیشن سنہ ١٨٧٤ء کے ایکٹ نمبر ١٦ سے منسوخ کیا گیا

(٩) جب کبھی گورنر جنرل اُن وجوہات کے باعث جو اس ریگیولیشن کے میں ذکر کی گئی ہیں یہ ضروری خیال کرے کہ کسی زمیندار جاگیردار یا تعلقہ دار کو یا کسی اور شخص کی زمین یا ریاست کو بغیر کسی قانونی عدالت کے فیصلہ یا عدالت کی کارروائی کے حراست میں لے لیا جاوے تو ان وجوہات کی اطلاع جن پر گورنمنٹ کا یہ حکم مبنی ہو نیز اور دیگر اطلاع جو ضروری تصور کی جائیگی گورنمنٹ کے کسی سکرٹری کے دستخط سے اُس ضلع کے مجسٹریٹ اور جج کو دی جائیگی جس ضلع میں یہ زمین یا ریاست واقعہ ہو نیز صدر دیوانی عدالت اور نظامت عدالت کو بھی اس کی اطلاع دی جائیگی۔

(١٠) اول ۔ اُن زمینوں اور ریاستوں کا انتظام جن کو اسطرح عارضی طور پر زیر حراست لے لیا جاوے گورنمنٹ کے محکمہ مال کے افسر کی زیر نگرانی ہوگا اور آمدنی کی فراہمی اور ترتیب کو اُسی اصول پر کیا جائیگا جس اصول پر اور ریاستوں کے متعلق جو خاص انتظام کے ماتحت ہوتی ہیں کیا جاتا ہے۔

دوم ۔ جس عرصہ میں یہ زمینیں یا ریاستیں زیر حراست ہونگی اُس عرصہ میں دیوانی عدالتوں کی ڈگری کے اجرا میں یا جرمانہ کی ادائیگی کے لئے یا کسی اور باعث سے ان کو بیچا نہیں جائیگا۔

سوم ۔ ایسی صورت میں جسکا ذکر اس سے پہلے ضمن میں آچکا ہے

گورنمنٹ اس قسم کا انتظام کر دیگی جو دیوانی عدالتوں کی ڈگریوں کے لئے مناسب اور انصاف پر مبنی سمجھا جاوے۔

(۱۱) جب گورنر جنرل کی یہ رائے ہو کہ وہ حالات جن کے خیال سے اس زمین یا ریاست کو زیر حراست لینا ضروری سمجھا گیا تھا جاتے رہے ہیں اور اس ریاست کا انتظام اس کے اصلی مالک کے ہاتھ میں پبلک کو کسی قسم کا نقصان یا تکلیف پہنچنے کے بغیر دیا جاسکتا ہے تو افسران حال کو ہدایت ہوگی کہ ریاست کو اپنی حراست سے علیحدہ کردیں اور اس عرصہ کی آمدنی کا حساب ٹھیک ٹھیک بنا دیں جس عرصہ میں یہ گورنمنٹ کے افسران کی زیر نگرانی رہی اور جو فایدہ ان حراست کے ایام میں ریاست سے ہوا ہو وہ اُس کے مالک کو دیدیں ؎

(تتمہ ب)

پنجاب میں پولیٹکل حالت

مفصلہ ذیل سطور ہیں نویسندہ مضمون کی گرفتاری سے چند گھنٹے پہلے موصول ہوئی تھیں جبکہ اسے اپنی گرفتاری کا جو اسکی قسمت میں درج تھی خیال بھی نہ تھا اگر اُن حالات کا خیال رکھا جاوے جن میں ان خیالات کو قلمبند کیا گیا ہے تو ان کی دلچسپی اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ ان سے نویسندہ کی سچائی۔ راست روی اور آزادی سے اپنے خیالات ظاہر کرنے کی طبیعت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بہتری عامہ کے سوالات کو کس غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کیا تھا۔

پنجاب میں بدامنی کے اسباب

بعض آدمیوں کا خیال ہے کہ پنجاب کی حالت بہت نازک ہے۔ جو خوف سرکاری افسران کے حلقہ میں پایا جاتا ہے اور جس کا نتیجہ راولپنڈی کے پانچ معززہ وکلا کی گرفتاری ہوا ہے بلاشبہ اس خیال کی تصدیق کرتا ہے تاہم میرے خیال میں یہ خوف خفیہ پولیس نے مصنوعی طور پر پیدا کر دیا تھا اور گورنمنٹ کو اپنے ہی کارکنوں کے ہاتھ میں ناچنا پڑا ہے۔ یہ کہنا حماقت ہوگی کہ فلاں شخص نے یہ حالت پیدا کر دی ہے۔ یہ ظاہر کرنا بیہودہ ہوگا کہ اس صوبہ میں کسی ایک شخص کا یا دو کا یا تین کا اس قدر رسوخ اور اقتدار ہے کہ وہ اس قسم کی حالت پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کا بیان

اُن کی خود پسندی کا اعتراف کرنیوالا ثابت ہو اور ایک طرح سے اُن کی تعریف
کا موجب ہو لیکن واقعات کو مدنظر رکھ کر اگر ان کا غور سے امتحان کیا جاوے
تو یہ خیال کسی وقعت کا معلوم نہیں ہوتا - اس میں شک نہیں کہ بیچینی موجود ہے
اور وہ ہے بھی بہت زیادہ - لیکن اس بےچینی کو پیدا کرنیوالے خود اینگلو انڈین
ہیں اور اس کے اسباب سلسلہ وار حسب ذیل بیان کئے جا سکتے ہیں -

(ا) مراسلات اور مضامین وغیرہ جو پچھلے سال جولائی اور اگست کے
مہینوں میں سول اینڈ ملٹری میں "زمانہ حال کے آثار" کی سُرخی سے نکلے

(ب) اخبار پنجابی کا مقدمہ و نیز گورنمنٹ کا سول اینڈ ملٹری کے
برخلاف اسی قسم کا مقدمہ چلانے سے منکر ہونا -

(ج) کولونیزیشن بل

(د)

(س) نہر باری دوآب پر آبیانہ کی ایزادی

(ص) ضلع راولپنڈی میں زرلگان کی غیر معمولی ایزادی

(ط) پلیگ کے باعث خوفناک تعداد اموات جس کے باعث
آدمی آزردہ خاطر ہو گئے ہیں - مزدور کم ہوتے جا رہے ہیں اور مزدوری
غیر معمولی طور پر بڑھ رہی ہے -

ان میں سے پہلے چھ اسباب کے اینگلو انڈین خود ذمہ وار ہیں - آخری
قہر الٰہی ہے - پہلے دونوں اسباب زیادہ اس قدر اثر پذیر نہ ہوتے اگر آخری
چار اسباب موجود نہ ہوتے - لیکن ان سب کے مل جانے سے بیچینی بہت
زیادہ ہو گئی ہے - چھٹے نے سب سے زیادہ حصہ لیا ہے جو انقلاب تمدن اس کے

باعث آہستہ آہستہ ہؤا ہے اس نے سرکاری نوکروں کے نیچے کے طبقہ کے دلوں پر بڑا بھاری اثر کیا ہے اور قدرتی طور پر وہ ہڑتالیں ظہور پذیر ہوئی ہوں جو چند برس پہلے بالکل ناقابل یقین ہوتیں۔ ان حالات کی موجودگی میں کیا گورنمنٹ دیانتداری اور ایمانداری سے اپنے افسروں کو اُس کوتاہ اندیشی اور غیر مدبرانہ کارروائی سے سبکدوش کر سکتی ہے جو اُن سے ظہور پذیر ہوئی جبکہ اُنھوں نے ایسے قوانین کے متعلق اصرار نہ چھوڑا جن کو عام لوگ ناراضگی کی نظر سے دیکھتے تھے اور پھر ان کو ایک عالمگیر مخالفت کے باوجود پاس کیا اور یہ خیال نہ کیا سرکاری ملازمین اُسی تناسب سے اپنی تنخواہ کی ایزادی کے مستحق ہیں جس تناسب سے عام مزدوروں کی مزدوری بڑھ گئی ہے۔ اگر اسکا ذرا دلجوئی کے ساتھ وقت پر خیال کر لیا جاتا تو تمام بے چینی رفع ہو جاتی۔

ذمہ وار اور غیر ذمہ وار ایجی ٹیشن کرنیوالے

کیا ایجی ٹیٹرز کو صرف اسواسطے قصور وار قرار دیا جا رہا ہے کہ اُنھوں نے گورنمنٹ کی غلطیوں کو ظاہر کر دیا ہے اور خود عوام النّاس کی تکالیف کے ساتھی ہو گئے ہیں۔ آخر انھوں نے کیا کیا ہے۔ وہ عوام الناس کے دُکھ درد کو دور کرنے کے لئے کمربستہ ہو گئے اور اس کے دور کرنے کیلئے تحریک کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ عوام الناس کی ہمدردی ان کے ساتھ ہو گئی۔ گورنمنٹ ان پر یہ الزام لگاتی رہی کہ یہ الگ رہتے ہیں اور عوام الناس سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور اس لئے ان کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ ان کے نام سے کسی بات کا اظہار کریں۔ انہیں یہ موقعہ ملا کہ

اس طعن کو دور کر دیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے اس موقعہ کا استعمال کرنے میں غلطی کی۔ کیا اُن کے لیئے یہ مناسب تھا کہ عوام الناس سے الگ رہتے اور اُن کے مدعا کو اخذ نہیں لیتے اور اس کے اظہار سے انکار کر دیتے؟ اگر وہ ایسا کرتے تو یہ اُس تعلیم کی شان کے بعید ہوتا جو اُنہوں نے حاصل کی تھی اور نیز وہ اپنے بھائیوں کو دغا دینے کے مرتکب قرار دیئے جاتے۔ تو پھر ان پر یہ الزام کیوں لگایا جاتا ہے کہ اُنہوں نے عوام الناس کی مدد کی۔ ایک برس پہلے عوام انکے مطلب کو نہ سمجھ سکتے تھے۔ عوام نہ یہ کر سکتے تھے اور نہ ان سے یہ امید تھی کہ وہ ان کے ساتھ اُس آواز میں شامل ہونگے جو اُنہوں نے سوراجیہ کیواسطے بلند کی تھی۔ اُنہیں اس بات کا کافی یقین نہ تھا کہ سرکاری ملازمت میں زیادہ تعداد میں ہندوستانیوں کے اعلےٰ عہدوں پر تقرری کا مطالبہ انہیں فوراً کسی قسم کی مدد پہنچا سکیگا۔ اُن کا خیال تھا کہ جہانتک اُن کی اپنی قسمت کا تعلق ہے خواہ کوئی لالہ حکومت کرے خواہ کوئی مسٹر خواہ مولوی اس میں کچھ فرق نہ آئیگا۔

لیکن موجودہ قانون نے اُن کے خیال کو اور ہی کچھ کر دیا۔ انہیں معلوم ہوا کہ جو خدمات زمانہ گذشتہ میں یہ گورنمنٹ کی کر چکے ہیں اُن کا کچھ بھی پھل نہ نکلا اور اس بات کا اس کے سوائے اور کچھ نتیجہ نہ ہو سکتا تھا کہ ان کے دل میں یہ خیال جگہ پکڑ جاوے کہ گورنمنٹ ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہی۔ جو قانون گورنمنٹ اپنی لامحدود طاقت کے زعم میں مختلف اقوام کے لیئے بناتی رہی ہے اس سے یکے بعد دیگرے

ہر ایک قوم اثر پذیر ہوئی حتیٰ کہ آبادی کا کوئی بھی ایسا حصہ نہ رہا۔ جو گورنمنٹ کے لئے ایمانداری سے کسی قسم کا اظہار جوش کر سکتا۔ ہمیں معلوم ہے کہ ایک ایسی جماعت ہے جو گورنمنٹ کی دامنگیر ہے یعنی اسکے ٹھیکہ دار۔ خبریں بہم پہنچانیوالے اشخاص اور خطابوں کے پیچھے پھرنے والے لوگ ۔ اس جماعت کے سربرآوردہ اشخاص ہمیشہ گورنمنٹ کے لئے ایک خاص جوش ظاہر کرتے ہیں کیونکہ اس کارروائی سے اُن کی بڑی بھاری مطلب برآری ہوتی ہے۔ لیکن وہ بھی ایمانداری سے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُنہوں نے کولونیزیل اور نہر کے آبیانہ کے متعلق جو ریزولیوشن پاس کیا گیا اُس کی تحریک میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہ پس پردہ رہکر بھلے مانس بنے رہے برخلاف اس کے اُنہوں نے دلیری سے کھلم کھُلا کام کیا۔ ان قوانین نے جو ہر دلعزیزی سے اس قدر دُور تھے بعض نوجوان بولنے والوں کو موقعہ دیا اور اُنہوں نے اس موقعہ کو جی بھر کر استعمال کیا۔ چونکہ ان کی تقریریں بیخوف تھیں اور یہ اپنے عقیدہ کے لئے ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے کے لئے طیار تھے اس لئے اثر سیدھا جاکر آدمیوں کے دلوں پر ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں آدمی ان کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ یہ خیال کرنا بیوقوفی سے خالی نہ ہوگا کہ ان نوجوانوں کی مدد پر کوئی ذمہ وار اشخاص تھے وجہ صاف ہے کیونکہ کوئی بھی سنجیدہ یا ذمہ وار شخص یہ نہیں خیال کر سکتا تھا کہ ملک کسی صورت میں بھی کسی پولیٹیکل انقلاب کے لئے طیار ہے۔ پنجاب میں اس ضرورت کو ہمیشہ زور سے پیش کیا جاتا رہا ہے کہ کام کو باقاعدہ

طور پر کرنا چاہیئے کوئی آرگنئزیشن ایسی حالت میں جیسی کہ اس صوبہ میں گذشتہ ۹ ماہ کے عرصہ میں رہی ہے نہ جاری ہو سکتی ہے اور نہ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے۔ آرگنئزیشن کے پودے کو سرد کرہ ہوائی اور غیر متحرک زمین کی ضرورت ہے بیشتر اس کے کہ یہ جڑ پکڑ سکے اور پھل لا سکے۔ آدمیوں نے گو بذریعہ تحریر اور تقریر ان نوجوانوں اور جوشیلے لکچراروں اور مقتوں کو برا بھلا نہیں کہا لیکن اسپر بھی ان سے جو کچھ ہو سکا انہوں نے کوشش کی کہ یہ اعتدال کی طرف آجاویں تاکہ کسی زیادہ مستقل اور مضبوط کام کو کر سکیں جسکا نتیجہ دیر پا اور مستحکم ہو۔ یہ ایک بد قسمتی کی بات ہے کہ ان کو جہاں تک ان کی خواہش تھی کامیابی حاصل نہ ہوئی لیکن ناکامیابی بھی خالی از معنے نہیں۔ اگر ایسے فصیح تقار اور دوسرے اشخاص جنہیں کوئی دو تین ہی جانتے بیشتر جانتا بھی نہ تھا بغیر کسی قوت وضبط کے ذمہ وار لیڈروں کی اس تجویز سے منہ موڑ لیتے تھے کہ وہ ان کے ماتحت ہو کر ان کی رائے کے مطابق چلیں مگر وہ ان کی نصیحت کو بھی سننا نہ چاہتے تھے۔ ان کی اخلاقی جرأت پر حرفگیری کرتے تھے اور بعض اوقات انہیں بزدل کہہ کر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے تھے اور عملی طور پر ساری کارروائی خود ہی کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کو عام آدمیوں کے جوش ہمدردی کا بھروسہ تھا اور وہ اُن سے بالکل لاپرواہ تھے جو ان کی رہنمائی کیا چاہتے تھے اور ان کو قابو میں رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے پاس کچھ مقاجس سے آدمی خوش ہوتے تھے اور جس کی وجہ سے ان کو حوصلہ ملتا رہتا تھا

اور ان کی کارروائی پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔

اصلی شکایات کا اجیٹیٹرز کی زبانی ظاہر ہونا

یہ فرض کرنا بھی ایک جاہلانہ خیال ہوگا کہ ان کے سامعین میں صرف لڑکے ہوتے تھے کیا کوئی ذی شعور یہ کہہ سکتا ہے کہ جو جلسے لایل پور۔ ملتان۔ بٹالہ۔ امرتسر اور دہلی میں ہوئے ان میں صرف طالب علم ہی شامل تھے۔ وہ کون شخص تھے جو بھارت ماتا کے اجلاس میں شامل ہوتے تھے جبکہ کالج اور سکول پلیگ کی وجہ سے بند ہو گئے تھے۔ لاہور۔ راولپنڈی یا دہلی میں سکول کے کُل لڑکوں کی کیا تناسب ہے اُس تعداد کا خیال کر کے جو سردار اجیت سنگھ اور سید حیدر رضا کے لیکچروں میں شامل ہوتے رہے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے اور اس سے ایمانداری کو مدنظر رکھ کر انکار نہیں ہو سکتا کہ جس بات کو لیکر یہ دونوں اصحاب اُٹھے ہیں وہ عوام الناس کے دلوں کو ہے۔ یہ ان کی طبیعت کے موافق ہے۔ ان کی تقریر کو ہزاروں قدردانی سے سنکر اُسیوقت اظہار جوش کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور ہزاروں ایسے شخص ہیں جو بڑے شوق سے ان کی تقریروں کو جب یہ ورنیکلر اخبارات میں نکلتی ہیں پڑھتے ہیں۔ اینگلو انڈین اخبار میں ایک غیر ذمہ وار شخص جو چاہے لکھ دے لیکن ذمہ وار افسران اس امر سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے کہ سردار اجیت سنگھ اور سید حیدر رضا پبلک رائے کے ایک بڑے جامع حصہ کو ظاہر کرتے ہیں اور اس سے لاپرواہی کرنا یا اُس کو

نظر حقارت سے دیکھنا ایک دیوانہ پن کی حرکت ہو گی - تاہم میرا یقین ہے کہ حالت ابھی ایسی نہیں ہوئی جس سے اُس ڈر کو جو اینگلو انڈین دایرے میں آجکل چھا رہا ہے ٹھیک قرار دیا جا سکے پنجاب کی بے چینی نے ابھی ایسی صورت اختیار نہیں کی - کہ آدمی بے اعتدالی کے کاموں پر اُتر آویں - جو کہیں کہیں بد اعتدالیاں ظہور میں آئی ہیں وہ یا تو خفیہ پولیس کی کارروائی کو ظاہر کرتی ہیں یا گُنڈے لوگوں کی کارروائی کو یا چند جوشیلے لڑکوں کی یا شاید ان سب کی ملی ہوئی کارروائی کو ظاہر کرتی ہیں -

گورنمنٹ کے لئے سیدھا راستہ

لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر اس بے چینی کو دور کرنے کی کوشش نہ کی گئی اور آدمیوں کی طبعیتوں کو جن میں غصہ آیا ہوا ہے اور ان کے احساس کو جن کو سخت چوٹ لگی ہے شانت نہ کیا جائیگا تو یہ ابتری زیادہ زیادہ ہوتی جائیگی - سختی کا سلوک ممکن ہے کچھ دیر کے واسطے آدمیوں کو پست ہمت کر دے لیکن یہ ایک یقینی امر ہے کہ یہ سختی کامیاب نہ ہو گی اگر اس سے آدمیوں کے حوصلوں کو جب تک انہیں یہ یقین رہیگا کہ ہمارے مفاد اور گورنمنٹ کے مفاد متضاد ہیں بالکل کچلنا مُضر ہو گا اور جب تک ان دونوں میں جد و جہد رہیگی عوام کا جوش بھڑکتا رہیگا خواہ اُس کو زور سے دبانے یا نیست و نابود کرنے کا کتنا ہی اہتمام کیوں نہ کیا جاوے - یہ بات

ابھی بالکل نئی ہے۔ پچاس برس کی امن و امان والی حکومت کے بعد
جبکہ آدمی ایک ابتر سوسائیٹی کی تکالیف کو بالکل بھول گئے ہیں اور چونکہ
اب یہ آرام پسند طریقہ سے زندگی گذار رہے ہیں اس لئے یہ راولپنڈی
کی گرفتاریوں کا حال سُنکر ہکے بکّے رہ گئے ہیں۔ کچھ عرصہ کے لئے یہ حوصلہ
ہار بیٹھیں اور پنجاب میں پولیٹیکل تحریک دب جاوے لیکن جُو نہیں
کہ آدمی ذرا ہوش سنبھالیں گے اور یہ سوچنا شروع کرینگے کہ قومی حقوق
کی جدوجہد میں شخصی مفاد کس قدر ناچیز ہیں۔ ان کی ہمدردی اُن
اشخاص کے لئے جنہوں نے سب سے پہلے تکلیف اُٹھائی بدل کر
اصلی مقصد کے سامنے سجدہ کی شکل اختیار کریگی۔ خوف جاتا رہیگا
اور اس کی جگہ شہید ہونے کی خواہش پیدا ہوجائیگی۔ اگر یہ گرفتاریاں
عام ہوگئیں جیساکہ افسروں کی موجودہ خوف زدہ حالت سے معلوم
ہوتا ہے تو یہ تمام مرحلے زیادہ سہولیت سے عبور ہوجائینگے لیکن میں
یہ نہیں مان سکتا کہ یہ گرفتاریاں قومی تحریک کو بند کر دینگی۔ گورنمنٹ
کی سختی کی کوشش قدرتی ہے۔ جو اثر اِن کارروائیوں کا عوام الناس
کے دل پر ہوگا اُس سے معلوم ہوگا کہ ملک میں اصلی پولیٹیکل زندگی
کتنی ہے اور کہاں تک اسپر انحصار ہوسکتا ہے۔ اس سے اُن کو
زندگی میں داخل ہونے کے لئے ایک نیا موقع ملیگا جو اپنی زندگی
اس مقصد کے لئے وقف کرنا چاہتے ہیں۔ قومی دکاش کا شکستوں
ناکامیابیوں اور جدوجہد کے ساتھ وابستہ ہونا لازمی ہے۔ اس لئے
کوئی وجہ نہیں کہ کیوں کوئی مایوس ہو۔

اصلی دانائی اور یہ ہاتما پر شاکر رہنا سکھلاتا ہے کہ ہر چیز کو جو ہمارے سامنے آئے اُسے اختیار کر لیں اُن سے ٹھیک نتائج اخذ کریں۔ اُن کے مطابق اپنے طریقوں اور وسایل کا اہتمام کریں اور پھر استقلال اور سچے یقین سے اپنی رفتار کو جاری رکھیں۔

لاہور
مورخہ ۹ مئی ۱۹۰۷ء

لاجپت رائے

اگرچہ متذکرہ بالا مضمون نویسندہ کے اپنے نام سے نہیں چھپا تھا لیکن بعد کے حالات کی وجہ سے ہمارے خیال میں یہ بہتر ہو گا۔ کہ پبلک کو یہ معلوم ہو جاوے کہ نویسندہ کے دل میں اپنی گرفتاری کے بدقسمت وقت سے ٹھیک پہلے کیا گذر رہا تھا ؛

تصانیف لالہ لاجپت رائے

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
دنیا کے مہاں پرشوں کا سلسلہ		
نمبر ۱ میزنی دوسرا ایڈیشن	۱۰/ا	۶ر
نمبر ۲ گیریبالڈی	۱۰ر	۶ر
نمبر ۳ سیواجی تیسرا ایڈیشن	۶ر	۴
نمبر ۴ سوامی دیانند اُردو	عہ ر	۱۲ر
نمبر ۵ سری کرشن مہاراج دوسرا ایڈیشن	۱۰ر	۶ر
تاریخ آرین تہذیب	۶ر	۴ر
ویدک ٹریکٹ	۳ر	۱ر
بھارت جیتی نظم	ار	۰ر
جاپان کی حیرت انگیز ترقی ترجمہ جگن ناتھ بھنڈاری ایم-اے معہ دیباچہ لالہ لاجپت رائے۔	۱۰ر	۴ر
نمبر ۱ سلسلہ ٹریکٹ	۳ر	۳پہ
سرگذشت جلاوطنی	عہ ر	عہ ر
فسانہ برہما	عہ ر	عہ ر
سوامی دیانند ہندی بھاشا مجلد و بے جلد	عہ ر	عہ / ۴ر
میزنی ہندی	۶ر	۴ر
سوامی دیانند کی خود نوشت سوانحعمری کا ترجمہ از لالہ دیپت رائے ایم اے	۴ر	۳ر

تصانیف منشی رادھا کشن صاحب پبلشرز

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
بیر چتر راجپوت بہادروں کی جانبازیاں	۵ر	۰۲ر
رسالہ روح و تناسخ پر ایک مدلل بحث	۰۲ر	۰۱ر
تحقیقات مذاہب بحوالہ کتب مقدسہ	۸ر	۴ر

المشتہر- رادھا کشن رتیت رائے سوداگران کاغذ انارکلی لاہور

ہماری دوکان پر ہر قسم کا کاغذ چھاپنے اور لکھنے کا سفید۔ حنائی۔ رنگدار۔ فلس کیپ رولدار سادہ بلاٹنگ پیپر وغیرہ وغیرہ کاغذ چٹھی ولفافہ جات کثرت سے موجود رہتا ہے۔ ولایت کا کاغذ جان ڈکنسن اینڈ کو وغیرہ کا ہم سے بکفایت خریدا جاسکتا ہے۔ یہ دوکان صرف بیوپاریوں کی سہولیت کے لئے کھولی گئی ہے۔ کلکتہ کے نرخ دیسی کاغذ اور جان ڈکنسن اینڈ کو کی کلکتہ کے نرخ پر کاغذ ہمارے ہاں سے ملسکتا ہے۔ نمونہ مفت ارسال ہوتا ہے۔

ہندوستان کا بنا ہوا کاغذ ہر قسم کا بارعایت ہمارے ہاں سے ملسکتا ہے۔

ملنے کا پتہ

رادھاکشن رنپت رائے سوداگران کاغذ انارکلی لاہور